جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ

اگست ۱۹۹۸ء

اقوالِ زرّیں

۱ دو نعمتوں کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے۔ صحّت اور فارغ البالی۔

۲ دُنیا میں اس طرح رہو گویا تم پردیسی ہو یا راہ چلنے والے۔

۳ دوزخ شہوتوں سے ڈھکی ہے اور جنّت مصیبتوں سے۔

۴ قوی وہ نہیں جو پچھاڑ دے۔ قوی تو وہ ہے جو غصّہ میں اپنے اُوپر قابُو رکھّے۔

۵ اللہ کے نزدیک سب سے شریر وہ ہے جسے لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

۶ عدل جو بھی کرے بہتر ہے، لیکن امیر کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

۷ مرد شرم کریں تو اچھّا ہے، لیکن عورتیں کریں تو بہت اچھّا ہے۔

۸ جوان کا گناہ بھی بُرا ہے، لیکن بُوڑھے کا سخت بُرا ہے۔

۹ امیر تکبّر کریں تو بُرا ہے، لیکن غریب کریں تو بہت بُرا ہے۔

۱۰ زبان کو شکایت سے بند کرو، خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

۱۱ شُکر گزار مومن عافیت کے زیادہ قریب تر ہے۔

۱۲ پیغمبروں کی میراث علم ہے اور فرعون و قارون کی میراث مال ہے۔

۱۳ دین کی پابندی کرو اگرچہ تمہیں لوگ ملامت کریں۔

۱۴ دُنیا میں اس سے زیادہ سخت چیز کوئی نہیں کہ تمہاری کسی کے ساتھ دُشمنی ہو۔

۱۵ جو لوگ فقراء کی صحبت ترک کر کے امراء کی صحبت اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اندھا کر دیتا ہے۔

شوال ۱۴۱۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ٦ — ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ ـ اگست ۱۹۹۸ء — شمارہ : ۱۱

مدیر
سیّد محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے	سالانہ	۱۳۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی	〃	۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	〃	٦ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	〃	۱٦ ڈالر
برطانیہ	〃	۲۰ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۴۲۷۳-۲۰۱۰۸٦
فیکس نمبر ۷۷۲٦٦۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

◯

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۶
اسلام اور فریضۂ تبلیغ	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۱۱
شہیدانِ بالاکوٹ	حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب	۲۱
فرقۂ ناجیہ کون ہے ؟	مولانا عاشق الٰہی صاحب	۲۲
سیّدنا عمر رضؓ کا قبولِ اسلام	حکیم محمود احمد ظفر صاحب	۲۹
درد دے کر مجھے رونے کا بہانہ دیدے (نظم)	سیّد امین گیلانی صاحب	۳۸
جاوید احمد غامدی کے افکار و نظریات	مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۳۹
حاصل مطالعہ	مولانا نعیم الدّین صاحب	۵۲
تقریظ و تنقید		۵۹
اخبار الجامعہ		۶۳

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں ۲۸ اور ۳۰ مئی کو پاکستان کی جانب سے جواباً کامیاب ایٹمی دھماکوں سے دُنیا بھر میں مُسلمانوں بالخصوص پاکستان کو جو عزّت ملی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت کی قدر اور اس کی حفاظت حکمرانوں، نوکر شاہی اور عوام سب پر واجب ہے ـــــ مگر کچھ عرصہ سے حکومتی اقدامات، نیز عوامی ردِّ عمل نے ملک میں ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جس پر ہر شخص تشویش اور بے سکونی کا شکار ہوگیا ہے۔ فارن کرنسی اکاؤنٹ کا انجماد تاجروں پر سیلز ٹیکس، کراچی میں کشت وخون، ایمرجنسی کا نفاذ، پنجاب بالخصوص لاہور میں پولیس چھاپے اور بے سوچے سمجھے گرفتاریاں، شہر کے اہم تجارتی مراکز اور غیر سرکاری دفاتر جو سرکاری اراضی پر واقع ہیں وہاں کے تاجروں اور کمپنیوں کو مختصر نوٹس پر جگہوں کو فوری خالی کرنے کے احکامات، کھوکھے اور خوانچہ فروشوں کے خلاف متبادل جگہ دیے بغیر ایکشن پٹرول کی قیمت میں یک بارگی ۲۵ فیصد اضافہ، وغیرہ ایسے اقدامات ہیں جن سے حکومت اور عوام کے درمیان بے اعتمادی پیدا ہوگئی ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانوں اور افسر شاہی ملک کے ناسازگار اقتصادی حالات کو ان اقدامات کی وجہ قرار دے رہے ہیں جبکہ عوام ان کے بیان کردہ اسباب اور مجبوریوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیّار نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں اس کی بُنیادی وجہ حکمرانوں اور افسر شاہی

کے قول و فعل کا فرق ہے۔ ملک کو درپیش حالات کی سنگینی کا تذکرہ جس زور شور سے وہ دن رات کر رہے ہیں اس کے اثرات عوام ان کی عملی زندگیوں میں نہیں پاتے ایک طرف ٹیکسوں اور پابندیوں کی بھرمار ہے تو دوسری طرف ذمہ دارانِ حکومت کا فاخرانہ طرزِ زندگی ہے جس میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آتا ہے اور اگر کبھی کفایت شعاری کا اعلان یا مظاہرہ کیا بھی جاتا ہے تو وہ بالکل وقتی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سیکرٹری صاحبان کے کمروں سے ایئر کنڈیشنر اُتار دیے گئے مگر وزراء وزیرِ اعظم اور صدر مملکت کے کمروں میں ایئر کنڈیشنرز لگے رہے جبکہ حالات کی سنگینی اور انصاف کا تقاضا تھا کہ کفایت شعاری کا مظاہرہ بڑے کرتے تو ماتحت خود بخود اس پر عمل کرتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیکرٹری صاحبان نے حیلے بہانوں سے دوبارہ ایئر کنڈیشنرز لگا کر حکومتی کفایت شعاری مہم کو عملاً مسترد کر دیا۔ اس نوعیت کے دسیوں واقعات ہیں جو آئے دن دیکھنے میں آرہے ہیں جن کے نتیجہ میں عوام اور برسرِ اقتدار طبقہ میں دُوری پیدا ہوتی جا رہی ہے اور افلاس بے روزگاری میں دن بدن اضافہ برسرِ اقتدار طبقہ سے نفرت پیدا کر رہا ہے بلکہ انتقام اور لوٹ مار کے جذبات نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا ہے۔ ہر روز اخبارات کی خبریں ایسے واقعات سے بھری ہوتی ہیں جن سے برسرِ اقتدار طبقہ کی بے حسی اور پسماندہ طبقہ کی بے کسی عیاں ہوتی ہے اگر اب بھی متمول اور برسرِ اقتدار طبقہ غمی اور خوشی میں غریب کے ساتھ شریک نہیں ہوتا اور اپنا طرزِ زندگی نہیں بدلتا تو خطرہ ہے کہ نفرت کی یہ آگ بے قابو ہو کر سب کچھ جلا ڈالے اور خدانخواستہ ملک میں خانہ جنگی اور لوٹ مار کا ایسا سلسلہ شروع ہو جائے کہ جس کی کوئی حد نہ ہو اب بھی وقت ہے کہ حکمران اور متمول طبقہ سمجھ سے کام لے اپنے خزانے غریبوں کے لیے کھول دے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق غریب کا جائز حق اس کو دے ـــــ موجودہ سنگین صورتِ حال سے نکلنے کا واحد راستہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے احکامات پر عمل اور آپ کے اختیار فرمودہ طرزِ عمل کو اپنانا ہے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فقر و فاقہ سے نڈھال تھے تو حدیث شریف میں حضرت ابو طلحہ رضؓ فرماتے ہیں۔

شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ وسلم الجوع فرفعنا عن بطوننا عن حجر حجر فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن حجرین

(ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۴۸)

یعنی ہم نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں کو کھول کر ایک ایک پتّھر بندھا ہُوا دکھلایا تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے پیٹ پر دو پتّھر بندھے ہُوئے دکھلائے۔

جب رعیّت تنگی اور فاقہ کا شکار ہو اور قوم کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہو کہ ہر طرف غُربت نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عمل سے یہ سبق دیا کہ میرِ کارواں کا پیٹ بھرا ہُوا نہیں ہونا چاہیے بلکہ بھوک میں قوم کا شریک بلکہ ان سے بھی بدتر حالت اس کے لیے زیبا ہے جیسا کہ صحابی شہادت دے رہے ہیں کہ ہمارے پیٹ پر ایک ایک پتّھر تھا اور نبی علیہ السّلام کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے دو پتّھر بندھے ہُوتے تھے۔

صحابہ کی شکایت سُن کر آپ نے چندے یا ٹیکس کا مطالبہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا کر دو پتّھر دکھلائے اور عملاً دُکھ درد میں شریک ہو کر تشفی کا حق ادا کر دیا۔

لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو عملاً عوام کے دُکھ درد میں شریک کریں تاکہ اُن پر اُن کا اعتماد بحال ہو اور دلوں میں نفرت کے بجائے محبّت پیدا ہو، بعدازاں شدید ضرورت کی حالت میں امیر غریب کا فرق رکھتے ہُوئے اسلامی اُصولوں کی روشنی میں ٹیکس کا ایسا نظام وضع کیا جائے کہ امیروں سے لے کر غریبوں پر خرچ کر دیا جائے تاکہ آہستہ آہستہ غریبوں کی حالت بہتر ہو کر ملک سے بھُوک و افلاس ختم ہو اور غریب کے مُنہ کا نوالہ چھین کر اپنے پیٹ میں ڈالنے کی رسمِ بد کا خاتمہ ہو جس کے نتیجہ میں رعیّت اور ذمہ دارانِ حکومت کے درمیان محبّت و اُلفت پیدا ہو کر خود بخود اتّحاد و یک جہتی کی فضا پیدا ہو جائے۔

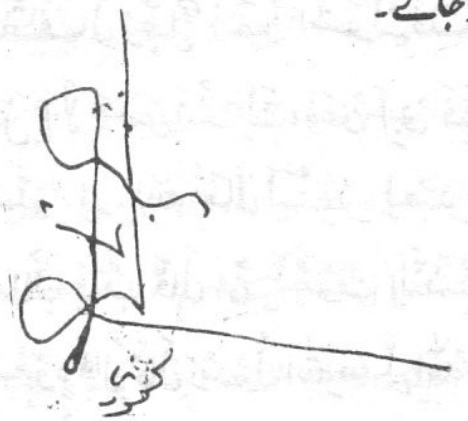

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ "لالۂ انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہرو نشان است

کیسٹ نمبر ۲۲ سائیڈ اے ۸-۷-۱۹۸۳ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّ آلہٖ واصحابہ اجمعین

امابعد! عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیَ الدُّنْیَا بِھٰذِہِ الْآیَۃِ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا الْآیَۃَ فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَکَ فَسَکَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَکَ، وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَغْفِرُ لِعَبْدِہٖ مَالَمْ یَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ، وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ [1]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۶

ترجمہ : حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ "مَیں اس آیت یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا الایۃ کے مقابلے میں اپنے لیے تمام دُنیا کا حصول بھی پسند نہیں کرتا" ایک شخص نے پُوچھا کہ جس شخص نے شرک کیا (کیا وہ بھی اس آیت کی بشارت کا مستحق ہے ؟) نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے (کچھ دیر) خاموشی اختیار فرمائی پھر (وحی آنے کے بعد یا خود اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہُوئے) فرمایا "جان لو ! جس شخص نے شرک کیا (اور اپنی زندگی ہی میں اس سے توبہ کرلی اور پھر اس کی توبہ قبول بھی ہوگئی تو وہ بھی اس آیت کی بشارت کا مستحق ہے) یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اپنے بندے (کے گناہوں میں سے جنہیں چاہتا ہے ان) کو بخشتا ہے جب تک (بندہ اور رحمتِ حق کے درمیان) پردہ حائل نہ ہو" صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) پردہ کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا " یہ کہ آدمی شرک کرتا ہو اور اُسی پر مرجائے "۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "گناہوں سے (صحیح اور پُختہ) توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو"۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے واسطے تلافی کے ذرائع خود تجویز فرما دیے، مثال کے طور پر ایک آدمی ہے جو ساری زندگی غفلت میں رہا۔ اَب اسے اپنے دَور پر جو گزار دیا غفلت میں حسرت ہوتی ہے۔ ندامت ہوتی ہے، لیکن وقت تو دوبارہ لَوٹا کر کوئی بھی نہیں لاسکتا جو گزر گیا وقت وہ گزر گیا اُس کا علاج کیا ہوسکتا ہے ؟ اُس کی تلافی کیسے ہو ؟ تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا بدل جو بتلایا ہے جس سے اُس کی تلافی ہو سکے وہ انسان کا اپنا پچھتانا ہے اور استغفار کرنا ہے۔ استغفار سے تلافی ہوتی ہے اور پچھتانے سے تلافی ہے، مَیں نے اس طرح وقت ضائع کیا۔ مَیں نے یہ کیا، قرآن پاک میں آتا ہے یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا

مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ جن لوگوں نے اسراف کیا ہے اپنے نفس کے ساتھ، زیادتی کی ہے اپنی جانوں کے ساتھ یعنی گناہ کیے ہیں، کیونکہ گناہ اپنے ساتھ خود زیادتی ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو یہ بشارت ہے یہ حکم بھی ہے۔ لہٰذا کوئی آدمی مایوس نہیں ہوسکتا خدا کی رحمت سے، خدا کی رحمت سے مایوس ہونا یہ کفر ہے اور کیوں ہے کفر؟ اس واسطے کہ اللہ کی صفت ہے رحمت بِسْمِ اللّٰہِ میں بھی آپ پڑھتے ہیں اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، الحمد شریف میں بھی پڑھتے ہیں اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو رحمت جو ہے وہ خدا کی صفت ہے بخشش کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بھی کفر ہے، کیونکہ وہ غفّار ہے وہ توّاب ہے قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ اِسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا، اِنَّہٗ ھُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، بہت جگہ ہے تَوَّابُ کا لفظ غَفَّارٌ کا لفظ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا تو اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو جانا اس کی رحمت سے مایوس ہونا یہ رحمت کا انکار ہے۔ یہ کفر ہے، منع فرمادیا گیا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا، ثوبان رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیَ الدُّنْیَا بِھٰذِہِ الْاٰیَةِ یہ آیت جو ہے جو میں نے ابھی پڑھی اس آیت کے بدلے میں اگر مجھے پوری دُنیا مل جائے مجھے یہ پسند نہیں یہ آیت زیادہ پسند ہے اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو تو وہی آیت پسند زیادہ ہوگی جس سے فائدہ مخلوق کو زیادہ ہو تو مخلوق کو مسلمانوں کو فائدہ اس آیت سے زیادہ ہے دُنیا سے کیا فائدہ ہونا۔ دنیا تو اپنے اندر اور لگا لیتی ہے آدمی کو اور بے کار کر دیتی ہے آخرت سے غافل ہو جاتا ہے یہ ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے بدلے میں پوری دُنیا مجھے مل جائے یہ مجھے پسند نہیں، آیت یہی ہے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ۔

اَب اسراف جو ہے انسان کا اپنی جان کے ساتھ اسراف یعنی گناہ کرنا زیادتی کرنا، اس کے درجے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ یہ کام گناہ ہے پھر کہتے ہیں یہ کام مکروہِ تحریمی ہے کہتے ہیں یہ کام حرام ہے ناجائز ہے تو معلوم ہوا کہ گناہ کے درجے ہیں تو اس میں کونسا گناہ ایسا ہے جس کے بارے میں یہ آیت ہے اور کونسا نہیں ہے تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ فَمَنْ اَشْرَکَ؟ جس نے شرک کیا ہو

کیونکہ قرآنِ پاک ہی میں آیت ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے۔ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ شرک سے کم کم جو چیزیں ہیں وہ جس کے لیے چاہے بخش دے۔ معاف کر دے تو صحابی نے سوال کیا فَمَنْ اَشْرَکَ ؟ جس نے شرک کیا ہو اُس کا کیا ہوگا ؟ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خاموش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا، وقفہ سے فرمایا۔ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَ مَنْ اَشْرَکَ وہ بھی اس میں داخل ہیں جنھوں نے شرک کیا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تین بار آپ نے یہ تاکید سے فرمایا کہ وہ بھی اس میں داخل ہیں کہ جنھوں نے شرک کیا ہو جب وہ شرک سے توبہ کر لیں تو پھر وہ اس بشارت کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے پچھلے گناہوں کو بخش دے اور اس سے بھی بڑا درجہ ہو جاتا ہے انسان کا۔ حدیث میں آتا ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ جو آدمی گناہ سے توبہ کر لے وہ ایسے ہے جیسے اُس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ بالکل ہی معاف فرما دیتے ہیں یعنی جب معاف ہو جاتا ہے تو پھر ناراضگی کا اثر نہیں رہتا۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ حالات ہی بدل جاتے ہیں اس کے وہ آدمی ہی بدل جاتا ہے۔

آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ بخشتے ہی رہتے ہیں جب تک پردہ نہ پڑے، دریافت کیا گیا کہ پردے سے کیا مُراد ہے فرمایا کہ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ کہ کوئی آدمی اگر شرک کی حالت میں مر گیا تو اب جیسے پردہ پڑ گیا۔ اب دروازہ بند ہو گیا اُس کے لیے ورنہ تو یہی ہے کہ جو آدمی توبہ سچّے دل سے کر لے تو اُس کے گناہ بھی نیکیاں بن جاتے ہیں اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا جو توبہ کر لے ایمان قبول کر لے عَمِلَ صَالِحًا نیک کام کرے یعنی وہ جنھیں اللہ نے اچھا بتایا ہو وہ کام کرے تو اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ان لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ بدل کر نیکیاں بنا دیتے ہیں تو کہاں تو یہ حالت تھی کہ گناہ گار تھا۔ مایوسی میں تھا، حکم ہُوا کہ مایوسی مت اختیار کرو پھر اُس کے بعد رحمت کے اور درجے شروع ہو گئے پھر رحمت ہوتے ہوتے یہ درجہ بھی آیا جو قرآن پاک کی دوسری آیت میں ذکر ہو رہا ہے کہ جو آدمی دل سے توبہ کر لے اور حمار ہے اُس کے اُوپر تو یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ اُن کے جو گناہ ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو بدل کر نیکیاں بنا دیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اُس کا اختیار ہے اور اُس کی

فیاضی ہے اُس کی رحمتیں ہیں ہمیں یہ بتایا گیا تلقین کی گئی کہ رجوع کرتے رہو خدا کی طرف توبہ کرتے رہو اللہ سے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔ ہمارے اگلے اور پچھلے گناہوں کو بخشے ہم سب کو اسلام پہ استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

. . . . . لیکن ساتھ ہی توجّہ دلاتا ہوں کہ نرمی اور سختی، عاجزی اور تکبّر، درگزر اور سخت گیری کا یہی وہ نازک مقام ہے جس کو آج کل مسلمانوں نے بھلا دیا اور جس کی وجہ سے وہ فغلظ علیھم (اے پیغمبر سختی کر) او فیما رحمۃ من اللہ لنت لھم (یہ اللہ کی بڑی رحمت تھی کہ اُس نے تجھ کو لوگوں کے ساتھ نرم دل بنایا) میں فرق نہیں کر سکتے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنی خوشی اور ناراضگی دونوں کو محض اللہ کی رضا اور نارضا مندی میں فنا کر دے اور خود اپنے تئیں بھول جائے۔ اگر کوئی شخص اس کی ذات خاص کے ساتھ بُرائی کر لے تو اس طرح ایک جسدِ بے رُوح ہو جائے گویا اس کے اندر جذبات انسانی ہیں ہی نہیں بلکہ ہو سکے تو سختی کے مقابلہ میں نرمی اور بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرے، لیکن اگر کوئی حق اور باطل کا معاملہ سامنے آجائے اور شخصی نہیں بلکہ دینی اور جماعتی نفع و نقصان کا سوال ہو تو اس وقت سر سے لے کر پیر تک اس کا تمام جسم قہر الٰہی کا نمونہ بن جائے اور اس کے غیظ و غضب کے لیے کوئی انتہا اور روک نہ ہو۔ گمراہی اور ضلالت کے بُتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور باطل پرستوں کے خُدا سے مغرور سروں کو اپنے بے رحم پاؤں سے کُچل ڈالے۔

"اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین۔ یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم" کے یہی معنی ہیں۔

(الہلال ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

ادارہ انوارِ مدینہ کی جانب سے رسالہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متوسلین و خدام سے اپیل ہے کہ اگر ان کے پاس حضرت کی تقاریر ہوں تو ادارہ کو ارسال فرما کر عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔ (ادارہ)

(قسط: ۲، آخری)

اسلام اور فریضۂ تبلیغ

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

مرسلہ الحاج عبدالکریم صاحب صابر

ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہا پور نے مندرجہ ذیل فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر تلاش کر کے پائی تھی، جس سے مخالفین کی ہرزہ سرائی کا پورا پتہ چلتا ہے۔ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی اپنے بیٹے شہزادہ نصیر الدین ہمایوں کو اپنی خفیہ وصیت میں لکھتا ہے فارسی تحریر کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اے پسر سلطنتِ ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے۔ الحمد للہ کہ اس نے اس کی پادشاہت تمہیں عطا فرمائی، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصباتِ مذہبی کو لوحِ دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی رعایا مراحمِ خسروانہ اور الطافِ شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے۔ جو قوم یا ملت قوانینِ حکومت کی فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں۔ عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف سے اسلام

زیادہ ترقّی پاتا ہے۔ شیعہ و سُنّی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جُل کر اتّحاد و اتّفاق سے کام کر رہے ہیں، اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتّحادِ عمل پیدا کرو، تاکہ جسمِ سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشتِ تیمور کو جو اتّفاق و اتّحاد کا مالک تھا۔ ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پُورا تجربہ ہو۔"

(روز نامہ خلافت صہ ۵ نمبر ۱۹۰ ۱۸ راگست ۱۹۲۶ء)

"شاہ جہانگیر نے اپنے تمام قلمرو میں جو احکام امراء اور سرداروں پر نافذ فرمائے تھے، ان میں سے مندرجہ ذیل احکام بھی تھے: "جھروکے پیس نہ بیٹھا کریں، ہاتھی نہ لڑایا کریں، سیاست کے واسطے آنکھیں نہ پھوڑا کریں، ناک کان نہ کاٹیں، بزور کسی کو مسلمان نہ کریں۔ الخ

(ترجمہ تزک جہانگیری ص ۸۲)

اورنگ زیب مرحوم کا مندرجہ ذیل فرمان فارسی زبان میں راجہ نرنجن سین نے ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا جو کہ جون ۱۹۱۱ء میں ایک اُردو اخبار میں شائع ہوا تھا۔ فرمانِ مذکورہ کا مضمون حسبِ ذیل ہے:

"ہماری پاک شریعت اور سچّے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے۔ ہماری اطّلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گرد و نواح کے ہندوؤں پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ان برہمنوں کو جن کا تعلّق پُرانے مندروں سے ہے ان کو ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کریں اور نہ اُن پر کسی قسم کا ظلم کریں۔"

(دستخط اور مُہر شہنشاہ اورنگ زیبؒ)

(حمایت اسلام خلافت نمبر ۱۹۰ صہ ۵ ۱۸ راگست ۱۹۲۶ء)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی اور حقانیّت اور اپنے اُصولوں اور تعلیم کی خوش اسلوبی وغیرہ کمالات کی بناء پر قلوب اور دماغوں پر ہمیشہ سے مقناطیسی اثر کرتا رہا۔ جنابِ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلّم نے باوجود اپنی تنگدستی اور بے سروسامانی کے اسلام کی دعوت شروع فرمائی اور تمام اہلِ عرب خصوصًا اہلِ مکّہ اور قریش آپ کے سخت درپے آزار ہوگئے۔ ظاہری کوئی ایسا سبب نہ تھا جس سے یہ اُمّید کی جاسکتی کہ آپ کی کوششیں بار آور ہوں گی، مگر یہ اسلام کی حقانیّت اور اس کی آسمانی طاقت ہی تھی جس سے قلوب کا مسخّر ہونا شروع ہوگیا اور جوق در جوق لوگ قرب وجوار اور دُور دراز ملکوں سے آ آ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے گئے۔ تیرہ برس مکّہ معظّمہ کے جو کہ نان وآملنس (عدمِ تشدّد) میں گزرے کئی سو آدمیوں کو اسلام کا دلدادہ بنا چکے تھے۔ حالانکہ اس مدّت میں مخالفینِ اسلام نے انتہائی مظالم اسلام اور مُسلمانوں پر ڈھا رکھے تھے۔ پھر مدینہ منوّرہ پہنچے اور امن وسلامتی حاصل ہونے کے بعد تو ترقّی کی کوئی انتہا ہی نہیں رہی۔ اہلِ مدینہ جنہوں نے آخری دم تک انتہائی سرفروشی کا ثبوت دیا ہے خود بخود اسلام کی حقانیّت معلوم کرکے اسلام کے پروانے بنے اور دوسروں کو بناتے رہے۔ باوجودیکہ ابتدا میں لڑائی قریش اور ان کے حامیوں سے ان کے مظالم کی بناء پر رہا کرتی تھی، مگر دُور دراز کے قبائل سے خود بخود لوگ آتے اور مسلمان ہوتے جاتے تھے۔

وفد عبدالقیس کا بحرین سے آنا۔ ثمامہ بن اثال حنفی کا اسلام لانا، ابوموسیٰ اشعری اور اُن کی جماعت کا خود بخود یمن سے کشتیوں میں سفر کرنا، ابوذر غفاری اور ان کے بھائی رضی اللہ عنہم اجمعین کا اپنے تمام کاروبار کو تجتے ہوئے خدمتِ اقدس میں پہنچنا، وائل بن حجر حضرمی کندی کا حضرموت سے قصد کرنا وغیرہ اتنے واقعات ہیں کہ خود اُن کی تفصیلات بہت زیادہ طول کی محتاج ہیں۔ اہلِ مکّہ جنہوں نے انتہائی مظالم کے پہاڑوں کا سلسلہ تقریبًا بیس برس تک برابر جاری رکھا تھا اور وہ بیدردی اور جفاکاری ظاہر کی تھی جو کہ وہم وگمان سے باہر تھی مگر اسلام نے ان پر فتح مندی حاصل کرنے کے بعد سب کچھ چھوڑ دیا نہ قتل کیا اور نہ اسیر کیا اور نہ اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کیا، مگر یہی احسانِ گراں ایک ایسی فتح کرنے والی تیز تلوار کے قائم مقام تھا کہ اس نے سب کی گردنیں اسلام کی حقانیّت کے سامنے جھکا دیں۔ وہ سب کے سب خود مسلمان ہوئے اور اس خوش معاملگی اور عفوِ کرم کو دیکھ کر تمام عرب کے قبیلوں کو اسلام کی سچائی کا زوردار یقین ہوگیا۔ فوجوں کی فوجیں ۹ھ میں خود بخود حاضر ہوکر مُسلمان ہوئیں اور اسی طرح اسلام روز افزوں ترقّی کرتا رہا۔ تواریخ فتوح شام

اور فتوح عراق اور مصر وغیرہ کے مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح رومیوں اور مصریوں اور پارسیوں کے بڑے بڑے سردار خود بخود اسلام کے گرویدہ ہوتے رہے ہیں اور کس زور شور سے عجمی اور رومی قوموں اور ایشیائی اور افریقی باشندوں نے اسلام برضا و رغبت قبول کیا ہے۔ ۱۰۰ھ کا زمانہ ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا آفتاب تمام عالم کو جگمگائے ہوئے ہے۔ امن و امان کا چاروں طرف اس طرح ڈنکا بج رہا ہے کہ حقیقی معنوں میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں۔ اس وقت میں گورنر خلافت عدی بن ارطاۃ کا عریضہ آتا ہے اور وہ لوگوں کو بکثرت اسلام میں داخل ہونے کے بارے میں الفاظِ ذیل لکھتا ہے۔

"لوگ اسلام میں بہت زیادہ داخل ہوتے جاتے ہیں، مجھ کو خوف ہے کہ آمدنی (خراج) میں کمی نہ پڑ جائے۔"

خلیفۂ وقت جواباً فرماتے ہیں۔

"میں تمہارا خط سمجھا۔ خدا کی قسم میری تمنّا تو یہ ہے کہ تمام آدمی مسلمان ہو جائیں اور نوبت پیش آجائے کہ آمدنی کی قلّت کی وجہ سے تم اور میں کھیتی کر کے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیے ہوئے غلّہ کو کھائیں۔"

اسی زمانہ میں خراسان میں بھی ایسا واقعہ پیش آیا۔ وہاں بھی لوگ اسلام میں بہت کثرت سے داخل ہوتے جا رہے تھے اور چونکہ حکم یہ تھا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان سے جزیہ اُٹھا دیا جائے۔ (کیونکہ یہ فوجی خدمتوں کے عوض میں غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور وہ ان عسکری خدمات سے بالکل آزاد رکھے جاتے تھے۔) اس لیے گورنر خراسان (جرّاح) کو بعض لوگوں نے بھڑکایا کہ یہ لوگ محض جزیہ سے بچنے کے لیے مسلمان ہوتے ہیں اسلام درحقیقت ان کے قلوب میں جاگزیں نہیں ہوا۔ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے آمدنی بہت گھٹ گئی ہے۔ جب تک یہ ختنہ نہ کرائیں ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے۔

گورنر مذکور نے اس کو پسند کیا اور حکم نافذ کر دیا کہ جب تک کوئی نو مسلم ختنہ نہ کرائے گا، اس کا اسلام قبول نہ ہوگا اور پھر خلیفۂ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اطّلاع دی وہ بہت خفا ہوئے اور یہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف

بلانے کے لیے بھیجا تھا۔ ختنہ کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ فوراً اس حکم کو منسوخ کر دیا اور پھر اس گورنر کو معزول کر دیا۔

۱۰۲ھ میں افریقہ کے گورنر (یزید بن ابی مسلم) نے جب دیکھا کہ عام باشندگانِ افریقہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے دیہاتوں کو چھوڑ کر شہری آبادی میں داخل ہوتے جاتے ہیں، جزیہ کی مقدار آمدنی کی حیثیت سے کم ہوتی جارہی ہے تو اس نے حکم کر دیا کہ یہ تمام دیہاتی نومسلم اپنے اپنے دیہاتوں کو واپس کر دیے جائیں اور جو مقدار جزیہ کی ان پر پہلے سے تھی بحال رہے۔ اس حکم کی بناء پر لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہوگیا، لوگوں نے بغاوت کر کے گورنر کو قتل کر دیا اور خلیفۂ وقت یزید بن عبدالملک کو مضمونِ ذیل کی عرضی لکھی:

"ہم نے آپ کی فرمانبرداری سے روگردانی نہیں کی، چونکہ گورنر حال نے خُدا اور اسلام کے ناراض کرنے والے مظالم کو جاری کیا تھا، اس لیے ہم نے اس کو قتل کر دیا اور پہلے (قدیم) گورنر معزول کو اس کی جگہ قائم مقام کر دیا۔"

خلیفہ نے ان کے عمل کو اسی طرح باقی رکھا اور لکھ دیا کہ "میں گورنر سابق (مقتول) کے ان اعمال سے جو کہ خلافِ خُدا اور اسلام تھے، راضی نہیں ہوں۔"

۱۱۰ھ میں خراسان کے گورنر اشرس نے سنٹرل ایشیا کے حصّہ ماوراء النہر (جیحون کا شمالی حصّہ) میں دعوتِ اسلام اور تبلیغ کے لیے علّامہ صالح بن طریف اور علّامہ ربیع بن عمران کو مقرر کیا۔ انھوں نے شرط لگائی کہ نومسلموں سے جزیہ نہ لیا جائے، کیونکہ یہی حکمِ شرعی تھا۔ گورنر مذکور نے اس کو قبول کر لیا۔ جب ان دونوں اماموں نے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ پُوری جدّوجہد سے کرنی شروع کی تو قوموں کی قومیں اور قبیلوں کے قبیلے سمرقند اور اس کے اطراف وجوانب میں مسلمان ہونے لگے۔ اسلام کا نہایت زور شور سے شیوع ہُوا۔ یہاں تک کہ خزانہ کے واردات میں بہت کمی واقع ہونے لگی۔ سمرقند کے دفتر دار نے گورنر مذکور (اشرس) کو اطلاع دی کہ مُسلمان بہت زیادہ ہوتے جاتے ہیں اس لیے خزانہ کی آمدنی بہت کم ہوگئی۔ گورنر مذکور نے لکھا کہ "لوگوں کا بہت زیادہ مسلمان ہونا اسلامی رغبت کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ فقط جزیہ کی وجہ سے ہے۔ اس لیے تم جزیہ ان لوگوں سے معاف ـــــ کرو جن کی ختنہ ہُوئی ہو، نماز پڑھتے ہوں، قرآن میں کم سے کم ایک سورت کے حافظ ہوں۔"

پھر اس کے بعد سمرقند کے حکّام نے گورنر خراسان اشرس مذکور کو لکھا کہ نومسلموں نے مسجدیں بنالی ہیں اور وہ بکثرت پائے جارہے ہیں، ہم ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ گورنر مذکور نے حکم دیا کہ جن سے پہلے جزیہ لیا جاتا ہے اب پھر لینے لگو۔ اس بناء پر باوجود مخالفتِ حکم شریعت نومسلموں سے پھر جزیہ وصول کیا جانے لگا، اس لیے نہایت زیادہ شور و شغب ہوا، سات ہزار نومسلموں نے جزیہ دینے سے انکار کردیا اور بغاوت شروع ہوگئی۔ آخرکار اشرس معزول کیا گیا اور نصر بن سیار اس کی جگہ مقرر ہوا اور جب حکم سابق منسوخ کیا گیا تب سکون پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ مبلّغینِ اسلام کی انفرادی اور کبھی اجتماعی کوششوں کی روز افزوں ترقّی سے اسلام سنٹرل ایشیا میں پھیلتا رہا۔ اسی عرصہ میں (شبق قراخان) مع اپنی جماعت کے مسلمان ہوا اور اس نے بلاساغون، قراقورم، فاراب اسبیجاب طراز وغیرہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس دولت کا نام خانیہ رکھا گیا اور ان لوگوں کے مبلّغین کی کوششوں سے بڑی دور تک ترکستانی قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ۳۴۹ھ میں اوغوز قبیلہ کا ایک سردار سلجوق دو لاکھ ترکی خاندان لے کر مسلمان ہوا اور ترکستان کے وسط سے ہجرت کرکے بخارا کے علاقے جند میں آکر سکونت گزیں ہوا اور پھر آہستہ آہستہ ترقّی کرکے اسی خاندان کے معزّز افراد نے ایشیائی کوچک میں پہنچ کر دولتِ سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی جو کہ شروع ایّام دولتِ عثمانیہ تک ان اطراف میں حکمران رہی۔ ۴۳۳ھ تک انتہائی ترکستان یعنی آخری حدود تک اسلام پہنچ گیا اور قبیلہ بلغار جو کہ آخری حدود کا رہنے والا تھا وہ بھی سب کا سب مسلمان ہوگیا۔

۴۳۵ھ میں قبیلہ تتار میں سے یکبارگی تقریباً دس ہزار خاندان مسلمان ہوگئے۔

خلاصہ یہ کہ وہ اقوام ترکیہ جن کی بہادری کا اب بھی رُوئے زمین پر ڈنکا ہے اور جن کے برابر زمانہ قدیم میں کوئی قوم بہادر نہیں شمار کی جاتی تھی محض اسلام کی حقانیت کی وجہ سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی مقدار میں برابر مسلمان ہوتی گئیں، جن کو کوئی تلوار اور کوئی قوّت ڈرا نہیں سکتی تھی۔

۵۰۰ھ کے آخر میں فقط چنگیز خاں کے تاتاری قبائل ترکستان کے آخر میں باقی رہ گئے تھے۔ جن سے ظالمانہ برتاؤ کرنے کی بناء پر محمّد بن خوارزم شاہ نے عالم اسلامی پر وہ وہ مصائب

کے پہاڑ ڈھوائے ہیں جن کی روئے زمین پر نظیر نہیں ہے۔ تواریخ کے اوراق ان مظالم سے سیاہ ہیں۔ یہی چھوٹی سی مقدار کافر تاتاریوں کی بے انصافی اور تشدّد کی بناء پر جب بگڑ گئی تو مسلمانوں کو نہایت تاریک اور سیاہ روز دیکھنا پڑا، مگر باوجود ہر طرح کی قوّت اور علم و تعدی کے ہلاکو خاں کے بعد ساتویں صدی ہجری کے اواخر اور آٹھویں کی ابتداء میں اس کی تمام قوم اور تمام اولاد اور فوجیں جو کہ حدودِ چین سے لے کر شام و عراق تک اور شمالی رُوس سے لے کر وسطِ ایران تک قابض تھیں جن کی قوّت کا مقابلہ اس زمانہ میں کوئی حکومت نہیں کر سکتی تھی اور جنھوں نے خلافت عبّاسیہ اور دوسری مُسلمان حکومتوں کا کایا پلٹ دیا تھا۔ سب کے سب مُسلمان عُلما اور مبلّغین کی مساعی اور اسلام کی حقانیت کی بناء پر مُسلمان ہو گئے اور تمام وسط ایشیا پھر صرف مُسلمانوں کا ملک ہو گیا۔ یہاں کون سی لوہے کی تلوار تھی جس نے ان اقوام کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا تھا۔

معزّز حضرات! جس طرح اسلام وسط ایشیا وغیرہ میں اپنی حقانیت اور علماء و صلحا کی مساعی کی بناء پر پھیلا اسی طرح ہندوستان میں بھی اسی قسم کی مساعی اور اپنی سچّائی کی بناء پر مقبولِ عام ہوا۔ ۳۹۵ھ میں سیّد اسماعیل لاہوری بخارا سے تشریف لائے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی علم فقہ و تفسیر وغیرہ میں امامِ وقت تھے۔ سب سے پہلے اسلامی واعظین میں سے آپ یہاں آئے ہیں۔ آپ کی مجلسِ وعظ میں ہزاروں آدمی آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ آپ کا بیان اس قدر موثّر ہوتا تھا کہ ہر روز سینکڑوں آدمی مشرف باسلام ہوتے تھے۔ جب یہ پہلے پہل لاہور میں تشریف لائے ہیں اور پہلے جمعہ کو آپ نے ممبر پر بیان کیا ہے، تو دو سو پچاس آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ دوسرے جمعہ کو پانچ سو پچاس آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ تیسرے جمعہ کو ایک ہزار کفّار و مشرکین زمرۂ اہلِ توحید میں داخل ہوئے۔ اس طرح آپ کے ذریعہ سے نہایت کثرت سے لوگ داخلِ اسلام ہوتے رہے۔ آپ کی وفات ۴۴۵ھ میں لاہور میں واقع ہوئی۔

(از کتاب تاریخ الاولیاء ج اوّل ص ۳۲۳)

اسی طرح حضرت خواجہ معین الدّین چشتی، حاجی ہود چشتی، شیخ علی راوتی وغیرہ قدس سرہم العزیز اور ان کے خلفاء کے ذریعے سے لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ کتاب

دعوتِ اسلام میں فقط حضرت خواجہ اجمیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ذریعہ سے ۹۰ لاکھ مسلمان ہونے والوں کی تعداد ذکر کی گئی ہے۔ میں اگر ان اولیاء اللہ اور علماء کرام کے کارنامے جن کے ذریعہ سے ہندوستان میں اسلام پھیلا ہے، ذکر کروں تو نہایت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے بطورِ نمونہ "مشتے از خروارے" آپ کے سامنے یہ مختصر بیان پیش کر کے عرض کرتا ہوں کہ اسلاف کرام کی اجتماعی اور انفرادی کوششوں اور جدّ و جہد کی بناء پر اور اسلام کی سچّائی اور حقانیّت کی وجہ سے نہ صرف ایک یا دو ہزار یا لاکھ دو لاکھ بلکہ کروڑوں بندگانِ خدا نے مذہب جیسی پیاری چیز کو اور وہ بھی ملکِ ہند میں جو کہ قدیم سے مذہبی ملک ہے چھوڑ دیا اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، حاشا وکلّا کبھی کسی بادشاہ نے نہ تلوار سے کسی کو مسلمان کیا تھا اور نہ اسلام اس کی تعلیم کرتا ہے۔ ہاں، بے شک اسلام کی حقانیت کی تلوار نے لوگوں کی گردنیں حق کے سامنے جھکا دی تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنروں اور برٹش حکام اور پادریوں نے اپنی حکومت کے لیے یہ پالیسی اختیار کی ہے کہ افترا پردازی سے ہندوستانی اقوام میں نفاق ڈالنے اور اس طرح اسلام سے بدظن کرنے کے لیے یہ نشر و اشاعت کی جاتی ہے کہ اسلام، زور لوگوں کو تبدیلِ مذہب مجبور کرتا ہے اور تمام ملکوں میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً اسی طرح لوگوں کو اس نے مسلمان بنایا ہے۔ کپتان الیگزینڈر ہملٹن کے سفرنامہ کو ملاحظہ کیجیے۔ وہ کس طرح مذہبی آزادی تمام ہندوستان اور خصوصاً سندھ اور سوات وغیرہ میں دکھلا رہا ہے۔ اور ہندوؤں کی آزادی کی خصوصاً اور دوسرے مذاہب کی عموماً باوجودیکہ حکومت کے مسلمان ہونے کے زمانہ اورنگ زیب میں تعجّب خیز الفاظ میں تعریف کر رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ کے بزرگوں نے اسلام کو روئے زمین پر پھیلایا، حالانکہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تقریباً صرف چار لاکھ مسلمان چھوڑ کر تشریف لے جاتے ہیں، مگر اسلاف کرام کی کوششوں سے آج اسلام کے نام لیوا چالیس کروڑ سے زیادہ پائے جاتے ہیں مگر ایک عرصہ سے اب ہوا کا رُخ پلٹ گیا ہے۔ وہ اسلام جو کہ سمندر کی اُبلتی موجوں کی طرح روز افزوں ترقّی کر رہا تھا، اس کی رفتار ایک عرصہ سے اس قدر دھیمی پڑ گئی گویا کہ وہ بحرالکاہل کا ایک حصّہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے کہ اس آخری دور میں مسلمانوں کی مردم شماری کی ترقّی حسبِ ذیل ہے۔

سنہ ۱۹۰۱ء: ۷، ۷، ۵۸، ۲۴، ۶ کروڑ، سنہ ۱۹۱۱ء: ۲۹۹، ۴۷، ۶۶، ۶ کروڑ، سنہ ۱۹۲۱ء: ۲۳۲، ۳۵، ۸۷، ۶ کروڑ یعنی

۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان انھوں نے فیصدی ۷، ۶ کی ترقّی کی جو کہ پہلے سالوں کی ترقّی سے کم تھی اور ۱۹۱۱ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان میں صرف ۱ء۲ فیصدی کی نسبت سے ترقّی کی۔ ہندوستان میں دوسرے مذاہب کی ترقّی سے اگر اسلام کی ترقّی کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو نہایت افسوسناک حالت معلوم ہوتی ہے۔ عیسائی مذاہب کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔

۱۹۰۱ء: ۲۹ لاکھ، ۱۹۱۱ء: ۳۸ لاکھ، ۱۹۲۱ء: ۶۴ و ۵۴ و ۴۷ لاکھ۔ انھوں نے ۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان میں فیصدی ۶ء ۳۲ ترقّی کی اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۱ء کے درمیان میں ۷ء ۲۲ کی ترقّی کی، جو کہ مسلمانوں کی ترقّی کے مقابلہ میں ۱۹۱۱ء میں پانچ گنے سے زیادہ اور ۱۹۲۱ء میں سات گنے سے زیادہ ہے اور پھر آریہ سماج کی ترقّی کو اگر دیکھا جائے تو نہایت ہی تعجب خیز حالت پیدا ہوتی ہے، ملاحظہ ہو: ۱۹۰۱ء، ۹۲ ہزار ۱۹۱۱ء، ۰۰۰، ۳۴ و ۲ لاکھ۔ ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۱ء، ۵۷۸ و ۶۷ و ۴ لاکھ یعنی ۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان انھوں نے فیصدی ۴ء ۱۶۳ کی نسبت سے ترقّی کی اور ۱۹۱۱ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان میں فیصدی ۱ء ۹۲ کی نسبت سے۔ اس کیفیّت کے سامنے مسلمانوں کی ترقّی کوئی حیثیّت ہی نہیں رکھتی ہے۔

وہ مذہبِ اسلام جس کے تمام اُصول نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اور روشن عقل اور طبع کے موافق ہیں وہ اس طرح پسماندہ ہوا جاتا ہے اور وہ مذاہب جن کے اُصول و عقائد انتہائی درجے کے لچر اور پوچ ہیں اور وہ اس طرح تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں۔

قابلِ غور یہ امر ہے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس کی وجہ سے مسلمان اُلٹے پیر لوٹتے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی پست خیالی، کم ہمّتی غفلت، نیند، جہالت وغیرہ کو دیکھ کر دوسرے مذاہب کو بھی ہمّت ہوئی کہ مسلمانوں پر ہجوم کیا جائے۔ اور ان کی منتشر بکریوں کو شکار کر لیا جائے۔ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں مختلف قسم کے جال پھیلا دیے۔ نہ صرف مصر، شام، فلسطین اور عراق وغیرہ میں ہی ان کی مشنریاں کام کر رہی ہیں، بلکہ ایران، ایشیائے کوچک وغیرہ ممالکِ اسلامیہ میں بھی بڑی کامیابی سے مسلمانوں کو فنا کر رہی ہیں۔ ہندوستان میں جس کوشش سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے، وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو جائے گا

۱۹۲۳ء کی رپورٹ کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:

مسیحی مشنریاں: ۱۶۷، تبلیغی مراکز: ۲۴۰۰ دا ہزار، مبلّغ: ۲۱۸ و ۷ ہزار، ٹریننگ کالج برائے تعلیمِ تبلیغ: ۶۱ گرجا و ں

کے پادری: ۱۸,۷۷۹ ہزار، مذہبی اخبارات مختلف زبانوں میں: ۹۹، پریس: ۴۲، سنڈے سکول: ۸۲۰ ہائی سکول: ۶۱۰، کالج: ۵۰، زراعتی سکول: ۹۰۸، صنعتی سکول: ۱۷۰، تعدادِ طلبہ: ۱۰۶,۰۰۰ لاکھ اساتذہ: ۴۴,۸۰۴ ہزار ہسپتال: ۴۰۸، ڈاکٹر اور نرسیں: ۵۹۸ را

۱۹۱۳ء میں تمام ہندوستان میں ۱۳۶ مشنریاں تھیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل تھی:

امریکہ اور کینیڈا کی تبلیغی جماعتیں: ۴۱

لنکا " " " : ۳

ہندوستان " " " : ۷

بلدی " " " : ۱۲

آسٹریلیا " " " : ۸

برِّ اعظم " " " : ۱۲

بین الاقوامی " " " : ۹

کُل " " " : ۱۳۶

مگر دس برس کے اندر ۱۹۲۳ء میں ان کی تعداد میں ۳۱ مشنریوں کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں ان مشنریوں کا سالانہ خرچ ۵۲ کروڑ روپے تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اب وہ کس قدر خرچ کر رہی ہوں گی۔ انجیل کا ترجمہ ایک سو چار زبانوں میں کیا جاچکا ہے۔ ہندوستان میں ۱۹۲۶ء میں ۸,۵۰,۰۰۰ لاکھ انجیلیں فروخت اور تقسیم کی گئیں، مگر ۱۹۲۷ء میں ان کا عدد ۱۰۲,۰۰۰ لاکھ کو پہنچ گیا۔ ان اعداد و شمار کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح عیسائیت زوردار طریقہ پر اپنا پنجہ گاڑتی ہوئی ہندوستانیوں کو ہندوستان میں عیسائیت کی طرف کھینچ رہی ہے۔ صرف حیدرآباد میں ایک سال میں بیس ہزار آدمی عیسائی ہوئے۔ اِدھر تو عیسائیت اس زور شور سے ترقی کرتی ہوئی اسلام اور ہندوستانی مذاہب کو نقصان پہنچا رہی ہے، اُدھر آریہ دھرم اسلام کے مٹانے پر تُلا ہوا ہے۔ اس زمانہ اخیر میں ہماری کمزوریوں اور غفلتوں کو دیکھ کر جو کچھ اُس نے ناجائز کارروائیاں نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اجتماعی طریقہ پر بھی منظم طریقہ پر کی ہیں اور کر رہی ہیں، وہ ظاہر و باہر ہے۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ انگلسمین ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء میں شائع کیا گیا تھا کہ شردھانند نے بیس لاکھ مسلمانوں کو مرتد کیا۔ اپریل ۱۹۲۷ء میں پٹنہ کے مہاسبھا کے اجلاس میں اعلان کیا گیا تھا کہ مہاسبھا

(بقیہ بر صـ۵۱)

حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہم

شہیدانِ بالاکوٹ

قبائے نُور سے سج کر، لہُو سے باوضُو ہوکر
وُہ پہنچے بارگاہِ حق میں کتنے سُرخرو ہوکر

فرشتے آسماں سے اُن کے استقبال کو اُترے
چلے اُن کے جِلَو میں باادب، باآبرو ہوکر

جہانِ رنگ و بُو سے ماوَرا ہے منزلِ جاناں
وُہ گزرے اِس جہاں سے بے نیازِ رنگ و بُو ہوکر

جہادِ فی سبیل اللہ نصب العین تھا اُن کا
شہادت کو ترستے تھے سراپا آرزو ہوکر

وہ رُہبان شب کو ہوتے تھے تو فُرسان دن میں رہتے تھے
صحابہؓ کے چلے نقشِ قدم پر ہُو بہُو ہوکر

مُجاہد سر کٹانے کے لیے بیچین رہتا ہے
کہ سَرافراز ہوتا ہے وُہ خنجر در گلُو ہوکر

سرِ مَیداں بھی استِقبالِ قِبلہ وُہ نہیں بھُولے
کیا جامِ شہادت نوش اُنھوں نے قِبلہ رُو ہوکر

زمین و آسماں ایسے ہی جانبازوں پہ روتے ہیں
سَحابِ غم برستا ہے شہیدوں کا لہُو ہوکر

شہیدوں کے لہُو سے ارضِ بالاکوٹ مُشکیں ہے
نسیمِ صُبح آتی ہے اُدھر سے مُشکبُو ہوکر

نفیسؔ اِن عاشقانِ پاک طینت کی حیات و موت
رہے گی نقشِ دہر اسلامیوں کی آبرو ہوکر

۱۴۱۰ھ

مولانا محمد عاشق الٰہی بلندی شہری

فرقۂ ناجیہ کون ہے؟

وعن معاویة رضی الله عنه قال قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال الا ان من کان قبلکم من اهل الکتاب افترقوا علی ثنتین و سبعین ملّة وان هٰذه الامة ستفرق علی ثلاث و سبعین فی النّار وواحدة فی الجنة وهی الجماعة رواه احمد و ابوداؤد وزاد فی روایة وانه سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بهم الاهواء کما تتجاری الکلب بصاحبه لا یبقی منه عرق ولا مفصل الادخله۔ (کذافی الترغیب

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور ارشاد فرمایا اس بات کو خوب سُن لو کہ تم سے پہلے جو اہلِ کتاب تھے وہ بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ اُمّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جن میں سے بہتّر فرقے جہنّم میں اور ایک فرقہ جنّت میں ہوگا اور یہ ایک جنّتی فرقہ وہی ہوگا جو (کتاب و سُنّت پر چلنے والی) جماعت ہوگی (احمد) سنن ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے اس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری اُمّت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن کے اندر خواہشات کا جذبہ اس طرح سے سرایت کر جائے گا۔ جیسے باؤلے کُتّے کے کاٹنے سے ہر رگ اور ہر جوڑ میں پاگل پن کا اثر ہڑک کی صورت میں

والترھیب) میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اس اُمت میں تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے، اُن میں ایک جنتی اور باقی فی النّار ہوں گے۔

پہلے تو اس فرقہ کی تعیین کر لیجیے جس کو جنتی بتایا ہے۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کر کے اسی وقت تعیین کرا لی تھی جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا من ھی یا رسول اللہ (یعنی وہ ایک جنتی فرقہ کونسا ہوگا) حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ما انا علیہ واصحابی (یعنی یہ جماعت وہ ہوگی جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں) اس سوال و جواب سے واضح طور پر فرقۂ ناجیہ کی تعیین ہو گئی۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اور

آپ کے صحابہ کے کیا عقائد و اعمال تھے اور اُن کی زندگی کا کیا مشغلہ تھا اور کیا نصب العین تھا۔ مقصدِ حیات کیا تھا۔ عبادات اور اطاعت، تجارت اور زراعت، حکومت اور سلطنت مصاحبت اور معاشرت اور آداب و اخلاق کے بارے میں کیا طرزِ زندگی تھا۔ ان تمام سوالوں کے جوابات کتاب و سُنّت میں اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں عہدِ نبوّت سے لے کر برابر ایسے اہلِ علم اور اہلِ عمل موجود رہے ہیں جنھوں نے کتاب و سُنّت کو حرزِ جان بنایا اور صاحب رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کو اور آپ کے صحابہ کے طرزِ زندگی کو اپنی زندگی کا پروگرام بنا لیا اس پر جیے اور اس پر مرے ان کی مخالفت میں بڑے بڑے فرقے اُٹھے اور سخت ترین فتنے اُبھرے جو اپنی اپنی بولیاں بول کر رُخصت ہو گئے یہی وہ جماعت حقہ ہے جس کے متعلّق ایک حدیث میں اس طرح پیشین گوئی فرمائی گئی لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذالک اس پیشین گوئی پر نظر کرتے ہوئے اگر اس جماعت کی تلاش کی جائے جو عہدِ نبوّت سے لے کر برابر ایک ہی طریقہ پر رہی ہے وہ یہی جماعت ہے جس نے کتاب و سُنّت پر مر مٹنے کو زندگی کا مقصد بنایا اور اور حضرات صحابہ کے اتّباع و اقتدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگیاں گزاریں

اس جماعت کے برخلاف جتنی جماعتیں نکلیں اور جتنے فرقے اُٹھے (خواہ ختم ہوکر صرف صفحۂ قرطاس پر اُنکا ذکر رہ گیا ہو اور خواہ صفحۂ ارض پر اس وقت موجود ہوں یا آئندہ وجود میں آکر عوام کے سامنے آئیں) ان کے خوشنما لیبل کو دیکھ کر دھوکہ میں آنے کے بجائے ما انا علیہ و اصحابی کی کسوٹی پر پرکھ لینا لازم ہے۔ جس فرقہ کو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ کے اتّباع کی ضرورت سے انکار ہو وہ ہرگز فرقۂ ناجیہ نہ ہوگا۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ ائمۂ اربعہ اور ان کے مقلدین تمام تر فرقۂ ناجیہ کے مصداق ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہ کے ان چاروں اماموں اور ان کے اتباع واشیاع نے ما انا علیہ و اصحابی کو ہمیشہ معیار حق بنایا ہے ان میں فروع و جزئیات کا جو اختلاف ہے وہ بھی حضرات صحابہ کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہے حضرات صحابہ میں عقائد و ضروریات دین میں کوئی اختلاف نہ تھا، چنانچہ ائمۂ اربعہ اور ان کے مقلدین میں بھی کوئی عقائد کا اختلاف نہیں ہے اور فروع کے اختلاف میں چونکہ ہر مسلک کے حضرات یہ دیکھتے ہیں کہ ہر صاحب مسلک کسی نہ کسی صحابی کے مسلک کا پیرو بنا ہوا ہے اس لیے آپس میں تکفیر و تفسیق اور تجہیل و تذلیل کے فتوے نہیں چلتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ائمۂ اربعہ کے مقلدین آپس میں ایک دوسرے کو اہلِ حق سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی کتابوں سے مستفیض ہوتے ہیں اور ہر مسلک کے ائمہ اور اکابر کا نام نہایت ادب سے لیتے ہیں اور رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا دیتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حنبلی تھے اور حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی اور فخر الاسلام حضرت امام رازی رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں شافعی المذہب تھے اس کے باوجود حنفیہ ان حضرات کا نام جس عقیدت اور احترام کے ساتھ لیتے ہیں سب پر عیاں ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ تمام طبقات اسلامی میں مقبول ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ہند و پاکستان کے حنفی مسلمان ہی مجدد تسلیم نہیں کرتے بلکہ عراق و شام میں اور دیگر ممالک اسلامیہ میں لاکھوں کی تعداد میں ان کے معتقد موجود ہیں جو شوافع ہیں یا مالکی یا حنبلی ہیں۔ رحمھم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و امانتنا علی طریقتھم۔

حدیث کے الفاظ سے فرقۂ ناجیہ کی تعیین تو ہو گئی جسے حدیث شریف میں الجماعۃ فرمایا ہے اور جسے اہل السنۃ والجماعۃ بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ جماعت جو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ پر اور آپ کے صحابہ کے طریقہ پر ہے باقی یہ بات کہ وہ بہتّر فرقے کون سے ہیں جن کو فی النّار بتایا ہے احادیث میں جس قدر بھی تلاش کیجیے ان بہتر فرقوں کا نام نہیں ملے گا۔ کوئی مؤرّخ یا محدّث تاریخ کی ورق گردانی کر کے فرقۂ باطلہ کو شمار کرتا ہے تو بہتّر سے زیادہ فرقے نظر آتے ہیں اور اگر بعض چھوٹے چھوٹے فرقوں کو نظر انداز کر کے حساب بٹھانا چاہتا ہے تو بعض مرتبہ بہتّر کا عدد پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے

لیکن بہتّر فرقوں کی تعیین دو وجہ سے غیر ضروری ہے اوّل تو اس لیے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود ہی ابہام سے کام لیا ہے جیسا کہ پیشینگوئیوں کے بارے میں آپ کا طریقہ تھا اگر بہتّر فرقوں کی تعیین ضروریات دین میں سے ہوتی جس پر ایمان اور نجات کا دارومدار ہوتا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ابہام کو اختیار ہی نہ فرماتے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ فرقۂ ناجیہ کی تعیین ہو جانے کے بعد صحیح مسلمان ہو جانے کے لیے یہ جان لینا اور مان لینا کافی ہے کہ ما انا علیہ و اصحابی کے معیار پر جو بھی فرقہ اور جماعت ہے وہ فرقۂ ناجیہ ہے اس کے علاوہ جو جماعتیں ہیں یا آئندہ ہوں گی۔ اُنہی کے بارے میں فی النّار فرمایا گیا ہے۔ فی النّار کا مطلب یہ ہے کہ جن فرقوں کے عقائد باطلہ حدود کفر میں داخل ہیں وہ تو ہمیشہ ہی عذاب میں رہیں گے اور جن کے عقائد و اہواء اور بدعات و محدثات باوجود گمراہی کے حدود کفر تک متجاوز نہ ہوں گے۔ وہ عذاب بھگت کر داخل جنّت ہوں گے۔

حدیث کے آخر میں ارشاد ہے کہ میری اُمّت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن کے اندر خواہشات کا جذبہ اس طرح سرایت کر جائے گا جیسے باؤلے کُتّے کے کاٹنے سے ہر رگ اور ہر جوڑ میں پاگل پن کا اثر ہڑک کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جذبۂ خواہشات لفظ الاہواء کا ترجمہ ہے جو ہوٰی کی جمع ہے۔ انسان کے اندر جو آزادانہ زندگی گزارنے کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں ان کو ہواءِ نفس کہا جاتا ہے۔ اتباعِ ھدیٰ اور اتباعِ ھوٰی دو متضاد چیزیں ہیں چونکہ قرآن و حدیث پر چلنے سے نفس پابندیوں میں جکڑ جاتا ہے۔ اس لیے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ایسا راستہ اور

نظریہ نکالا جائے جس پر عمل کرنے سے نفس کو گرانی بھی نہ ہو اور کہنے کو یہ بات بھی ہو جائے کہ دیندار ہیں اور صاحبِ قرآن ہیں اس طرح کی کوششیں حضرات صحابہ کرام کے عہد میں ہی اہلِ اہواء شروع کر چکے تھے اس قسم کے لوگوں کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ احادیث نبویہ کی حجیّت سے دست بردار ہوں اور حضرات سلف صالحین کی عظمت اور اہمیت ختم کردیں تاکہ قرآن حکیم کی من مانی تفسیر کرنے کا راستہ ہموار ہو جائے اور منصوص و مجمع علیہ احکام شرعیہ کو پسِ پشت ڈال سکیں اس طرح کے فرقے بہت سے گزر چکے ہیں اور خاصی تعداد میں اب موجود ہیں جو لوگ اس طرح کے فرقوں کے بانی ممتاز افراد ہوتے ہیں ان کا راہ حق پر آجانا از بس مشکل ہو جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ باطنی طور پر ایسے لوگوں کے نفوس پوری طرح اپنے کو ہدایت یافتہ سمجھ لیتے ہیں اور یہ یقین کر لیتے ہیں کہ ہم قرآن کے صحیح ترجمان ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو لاکھ سمجھائیے اور قرآن و حدیث کی واضح تصریحات سامنے رکھ کر ان کی محدثات اور خرافات کی نشاندہی کیجیے مگر کبھی نہ مانیں گے اب یہ باتیں تو پوشیدہ نہیں ہیں کہ ختم نبوّت کے مسئلہ کو بالکل ختم کر کے قرآن کے موجود ہوتے ہوئے مدعیانِ نبوّت کو بھاری تعداد میں ہمدرد اور مؤید و معتقد مل گئے۔ جنھوں نے خاتم النّبیین کا مطلب اپنے پاس سے تجویز کر کے قرآنی اعلان تو بالکل محرّف کر دیا۔ اسی طرح سود کو حلال بنانے والے اور بجائے پانچ نمازوں کے تین نمازوں کی فرضیت کا اعلان کرنے والے اور روزوں کو تیس سے گھٹا کر صرف تین روزے بتانے والے موجود ہو گئے ہیں اور ایسا فرقہ تو صدیوں سے موجود ہے جو حضرات صحابہ کرام کو (باستثناء چند افراد) کافر کہتے ہیں ایسے لوگوں کے اندر رگ رگ میں اور جوڑ جوڑ میں ہوائے نفسانی اس طرح سے سرایت کر جاتی ہے جس طرح باؤلے کتّے کے کاٹنے سے جسم کے ہر حصّہ میں ایک ہڑک گھس جاتی ہے جسے حدیث شریف میں الکلب فرمایا ہے اہلِ حق میں سے جو شخص ان لوگوں کی تفہیم (سمجھانے) کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دلائل شرعیہ کو رَد کرتے ہوئے باؤلے کتّے کی طرح کاٹنے کو دوڑتے ہیں اگر کوئی بے علم یا کم علم ان لوگوں کی کتاب پڑھ لیتا ہے یا ذرا دیر صحبت میں بیٹھ جاتا ہے تو وہ بھی ان کی اہواء کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے رگ و ریشہ میں بھی وہی اثرات سرایت کرتے چلے جاتے ہیں جس طرح پر کتّے کے کاٹے ہوئے پر اثر ہو جاتا ہے کہ یہ شخص کسی انسان کو کاٹ لیوے تو وہی اثر اس پر ظاہر

ہو جاتا ہے جو باؤلے کُتّے کے کاٹنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف میں جگہ جگہ اتباعِ ھوٰی کی مذمت فرمائی گئی ہے سورۂ محمّد میں ارشاد ہے

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى	جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ	واضح دلائل پر ہو کیا ان لوگوں کی طرح ہو
كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ	سکتا ہے جن کے بداعمال اُن کی نظروں میں
سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا	خُوب صُورت کر دیے گئے ہوں اور جو اپنی
اَهْوَآءَهُمْ	اھواء کے پیچھے لگے ہُوئے ہوں۔

سورۂ والنازعات میں ہوائے نفسانی سے بچنے والوں کے لیے داخلۂ جنّت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ ربه	لیکن جو شخص اپنے رَبّ کے سامنے کھڑے
وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ	ہونے سے ڈرا اور خواہشات سے اپنے
الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى۔	نفس کو روکا تو یقیناً اس کا ٹھکانا جنّت ہے۔

شرعی منہیات و منکرات خواہ اعتقادی ہوں یا عملی جو شخص بھی ان سے بچے گا اور ہوائے نفس پر قابُو پاتے ہُوئے خداوندِ قہار و جبّار سے ڈرے گا۔ آخرت میں جنّت میں جگہ پائے گا۔ جہاں ہر خواہش پُوری ہو گی۔

اہلِ باطل کی برابر یہ کوشش رہی ہے کہ حق کو اپنے تابع کر لیں حضراتِ انبیاء کرام علیہم السّلام کو بھی ان لوگوں نے اس طرح کی دعوت دی کہ کچھ ہم تمہاری دعوت قبول کرتے ہیں اور کچھ ہماری باتوں اور مشوروں کو آپ لوگ قبول کر لیں، لیکن چونکہ حق اور باطل کے امتزاج کے بعد حق حق نہیں رہتا بلکہ باطل مرکّب ہی کا ایک جزو بن کر رہ جاتا ہے اس لیے صلح و آشتی کا کوئی راستہ کبھی نکل نہ سکا۔ قرآن شریف میں صاف ارشاد فرما دیا۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ	اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کریگا!
لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ	تو آسمان و زمین میں اور جو کچھ ان میں ہیں
وَمَنْ فِيْهِنَّ	فاسد ہو جائیں گے۔

اسلام جامع اور کامل و مکمّل دین ہے اس کے احکام و قوانین تفصیلاً و اجمالاً قرآن و حدیث میں

بتا دیے گئے ہیں کسی بھی فرد کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ اپنی جانب سے کوئی چیز دینِ متین میں داخل کرے یا دینیات میں سے کسی چیز کو دین سے خارج کرے۔ اگر کسی حادثہ اور نازلہ کے بارے میں کوئی حکم شرعی بالتصریح نہ ملتا ہو تو شریعتِ مقدسہ کے اُصول و فروع سامنے رکھ کر استنباط کیا جائے گا اور مقیس و مقیس علیہ کے درمیان مابہ الاشتراک کوئی چیز دیکھ کر قیاس کیا جا سکے گا۔ کسی بھی فرد یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اُصول و فروع کو سامنے رکھے بغیر اپنی طرف سے اختراع کر کے کوئی مسئلہ بتا دیوے اسی لیے قرآن و حدیث میں بدعتیں نکالنے اور خواہشِ نفس کو اپنا مقتدا بنا لینے کی سخت مذمّت کی گئی ہے جو لوگ بدعتیں نکالتے ہیں گویا وہ اسلام کے ناقص ہونے کے مدعی ہیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ اَتٰی بِدْعَۃً ظَنَّ اَنَّ مُحَمَّدًا اَخْطَأَ الرِّسَالَۃَ یعنی جس نے بدعت کا کام کیا گویا اُس نے یہ سمجھا کہ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اللہ کا حکم پہنچانے میں خطا کا صدور ہُوا ہے یعنی اُنھوں نے پُورا دین نہیں پہنچایا اور احکام ٹھیک نہیں بتلائے۔ لہٰذا میں اپنی طرف سے کوئی عمل جاری کر کے دینِ ناقص کی تکمیل کرتا ہوں۔ (العیاذ باللہ)

بدعت ایک بغاوت ہے جو داخلی طور پر دینِ حقیقی کی جامعیّت کو کھوکھلا کرنے کا ایک زبردست ہتھیار ہے اسی لیے عُلماءِ حق نے بدعتوں کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا ہے اور حضراتِ محدّثین نے خصوصیت کے ساتھ اپنی کتابوں میں بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمّت کے سلسلہ میں احادیث جمع کی ہیں اتّباعِ سُنّت کی ترغیب کے ساتھ بدعتوں کے ارتکاب سے بچانا اور ڈرانا بھی ضروری ہے تاکہ دینِ حقیقی کا کمال جامع اور مانع ہو کر سامنے آسکے اور ایجابی پہلو کے ساتھ سلبی پہلو پر بھی فکر و نظر کی رسائی ہو سکے۔

اعلان

اُن حضرات کو ایک سال کے لیے مفت رسالہ جاری کیا جائے گا۔ جو رسالہ کے سات خریدار بنائیں گے۔

(ادارہ)

حکیم محمود احمد ظفر۔ فرانکفرٹ (جرمنی) (قسط: ۲، آخری)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

اب عمرؓ کا غصّہ بالکل ٹھنڈا ہوچکا تھا اور اصل حقیقت معلوم کرنے کا شوق اتنا بڑھ چکا تھا کہ بہن کے اس سخت اور توہین آمیز کلام کو نہایت صبر سے برداشت کیا۔ فورًا اُٹھے اور وضو یا غسل کیا (اختلاف الروایات فی ذالک) اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا۔ اس میں لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم" عمرؓ اللہ جل شانہ، کے یہ نام دیکھ کر لرزہ بر اندام ہو گئے اور صحیفہ مبارکہ کو وہیں رکھ دیا۔ جب اوسان بجا ہوئے تو اسے پھر اُٹھایا۔ بسم اللہ کے بعد سورۂ طٰہٰ لکھی تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ اُن کے قلب میں نقش ہو رہا تھا۔ فصاحت زبان محاسن کلام، ندرت بیان، بلندیٔ معانی، جامعیتِ مطالب، حسن انشاء، شگفتگیٔ الفاظ اور تعلیمات ہدایت کی پاکیزگی پر سر دھنتے تھے آخر جب اس آیت پر پہنچے۔

"میں ہی معبود برحق ہوں۔ میرے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔"

تو صداقت اسلام کا جذبۂ کامل اپنی پُوری طاقت کے ساتھ قلبِ صافی میں محشر انگیز ہُوا۔ اور انوارِ رشد و ہدایت نے رہبری فرما کر چشمِ بصیرت کھول دی۔ آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ اور زبان سے بے اختیار نکلا "کیا ہی پاکیزہ کلام ہے۔ حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابلِ پرستش وستائیش ہے۔ اس کے بعد بے اختیار بول اُٹھے۔

اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا رسول اللہ"

سیّدنا خباب بن الارت رضؓ مکان میں چھپے یہ سب ماجرا دیکھ اور سُن رہے تھے جب اُنھوں نے سیّدنا عمرؓ کی زبان سے کلمۂ شہادت سُنا تو فورًا باہر نکل آئے اور سب حضرات نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور جوشِ مسرّت میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔

خباب نے کہا: عمرؓ! بشارت ہو، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوئی عمرؓ نے سیّدنا خبابؓ سے کہا: "مجھے اسی وقت سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے چلو" اب عمرؓ کی تقدیر بدل چکی تھی۔ اسلام دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ چکا تھا۔ اسی کو اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ؎

نمی دانی کہ سوزِ قرأتِ تو　　دگر گوں کرد تقدیر عمرؓ را

سرکار دو عالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس وقت دارارقم المخزومی میں تشریف فرما تھے۔ سیّدنا خباب بن الارتؓ سیّدنا عمرؓ کو ساتھ لے کر دارارقم کی طرف روانہ ہوئے جہاں سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور دیگر صحابہ کرامؓ جن میں سیّدنا حمزہؓ بھی تھے اور جو صرف تین روز قبل ایمان لائے تھے۔ تشریف فرما تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یہ معلوم کر کے کہ عمرؓ اندر آنا چاہتے ہیں کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ کیونکہ عمرؓ انتہا درجہ مغلوب الغضب اور اسلام کی دُشمنی میں بڑے غالی تھے۔ مکان میں موجود سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ عمرؓ خون خرابہ کرنے آئے ہیں۔ اصل حقیقت حال کا کسی کو پتہ نہ تھا، اس لیے سب خوفزدہ تھے۔ یہ دیکھ کر سیّدنا حمزہؓ نے فرمایا: دروازہ کھول دو اور آنے دو، اور سُن لو، اگر عمرؓ اطاعت حق اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو اہلاً وسہلاً اور اگر کسی ایذاء رسانی کے ارادہ سے آیا ہے تو اس کی تلوار ہو گی اور اسی کا سَر۔

سیّدنا عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اجازت سے دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سامنے لاکر مجھے کھڑا کر دیا۔ آپ نے ان دونوں شخصوں سے فرمایا: اس کے ہاتھ چھوڑ دو۔ آپ نے پھر میرا کرتا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے! اسلام لا، اور پھر یہ دُعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کو ہدایت دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اے اللہ! یہ عمر بن الخطاب حاضر ہے۔ اے اللہ! اس سے اپنے دین کو عزت دے"

پھر عمرؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"عمر! کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک حق تعالیٰ تجھ پر کوئی رسوا کُن عذاب نازل نہ فرمائے"

نبوّت کی پُر رعب آواز نے سیّدنا عمر رضؓ جیسے شجاع اور جری شخص کو لرزہ بر اندام کر دیا، لہٰذا نہایت عاجزی اور فروتنی سے عرض کیا: "حضور ایمان لانے ہی کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ اور پھر پڑھا: اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ و انّک رسول اللہ۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرطِ مسرّت سے بلند آواز سے تکبیر کہی جس کے بعد دارِ ارقم میں موجود تمام حضرات نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فضا مسرت و شادمانی کے نغموں سے معمور ہو گئی اور اس طرح عمر رضؓ زمرہ مؤحدین میں داخل ہو گئے۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۵-۳۴۶، عیون الاثر ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۷، زرقانی ج ۱ ص ۲۷۶)

بعض روایات میں ہے کہ سیّدنا عمر رضؓ کے مسلمان ہونے کی خوشی میں مسلمانوں نے جو صدائے تکبیر بلند کی اُس کی آواز مکّہ کی گلیوں اور شاہراہوں پر سُنی گئی۔

(عیون الاثر لابن سید الناس ج ۱ ص ۲۱۷)

سیّدنا عبداللہ بن عبّاس رضؓ فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمر رضؓ دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو جبرئیل امین علیہ السّلام حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "اے محمدؐ! تمام آسمان والے عمر رضؓ کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے ہیں۔"

(لقد استبشر اھلُ السماء باسلام عمر)

(عیون الاثر ص ۲۲۱، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۹۲، زرقانی جلد ۱ ص ۲۷۷، ابن ماجہ، باب فضل عمر بن الخطاب، المستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۴، صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۲۷۴، نہایۃ الارب ج ۱۶ ص ۲۵۶)

سیّدنا عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ جب میں اسلام لا چکا تو میں نے ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دشمنی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے، میں سب سے پہلے اسی کے سامنے اپنے قبولِ اسلام کا اظہار اور اعلان کروں گا۔ خیال آیا کہ ابوجہل سے بڑھ کر کہ حضورؐ کا اور کوئی دشمن نہیں، چنانچہ میں سب سے پہلے ابوجہل کے مکان پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی۔ ابوجہل کو میرے بارے میں یہ اطّلاع مل چکی تھی کہ میں تلوار حمائل کر کے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قتل کے ارادۂ بد سے دارِ ارقم کی طرف گیا ہوں اور وہ ہمہ تن انتظار تھا کہ جلد از جلد خبر ملنے والی ہے کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) قتل ہو گئے ہیں، چنانچہ

چنانچہ جب اس کو معلوم ہُوا کہ عمرؓ دروازہ پر کھڑا ہے تو اُس نے نہایت عجلت سے دروازہ کھولا۔ سیّدنا عمرؓ نے ابوجہل کو دیکھتے ہی کہا: "ماموں! مَیں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ مَیں نے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دینِ حق کو قبول کر لیا ہے۔ مَیں خدا اور اس کے رسول برحق پہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لے آیا ہوں اور اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ الفاظ سُننے تھے کہ ابوجہل پر ایک بجلی سی گری اور اُس نے غضب ناک حالت میں جھٹ کواڑ بند کر لیے اور کہا:

"جاتُو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں۔" (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۰)

ابوجہل نے بد دُعا تو اپنے بھانجے عمرؓ کو دی تھی، لیکن چند ہی سالوں کے بعد چشمِ فلک نے دیکھا کہ وہ خود اور اس کے تمام عناد پیشہ ساتھی کسی طرح جنگ بدر میں غارت ہُوئے اور نہایت خائب و خاسر ہو کر بدر کے کنویں میں پھینکے گئے اور خدائے قیّوم نے اسلام کو عزّت و سربلندی عطا فرمائی۔

یہ ذہن میں رہے کہ سیّدنا عمرؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ابوجہل کی حقیقی چچازاد بہن تھی۔ ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ تھا۔ قبول اسلام کے وقت سیّدنا عمرؓ کی عمر ۲۶ سال تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیّدنا عمرؓ جب اسلام لائے تو خیال آیا کہ اپنے اسلام کی ایک ایسے شخص کو اطّلاع دوں جو بات کو مشہور کرنے میں بہت ماہر ہو تاکہ سب لوگوں کو جلد از جلد میرے مُسلمان ہونے کی اطّلاع ہو جائے، چنانچہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا جو اس بات میں پُورے مکّہ میں مشہور تھا اور کہا: "جمیل! تجھے معلوم ہے کہ میں مُسلمان ہو گیا ہوں اور محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔" جمیل یہ سُنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہُوا مسجد حرام کی طرف بھاگتا ہُوا گیا جہاں تمام سردارانِ قریش اور ہر قبیلہ کے رؤسا جمع تھے اور جاتے ہی بآواز بلند بولا: "لوگو! سُن لو، عمر صابی (بے دین) ہو گیا ہے۔ سیّدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی جمیل کے پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جا کر کہا: لوگو! جمیل غلط کہتا ہے۔ میں صابی نہیں ہُوا، میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ

کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ لوگ عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔" (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۴۸-۳۴۹، عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۸)

علامہ ابن جوزی نے سیّدنا عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے اور اُسے زدوکوب کرتے، چنانچہ جب مَیں مُسلمان ہُوا تو اپنے ماموں عاص بن ہاشم کے پاس گیا اور اسے اپنے مُسلمان ہونے کے بارہ میں بتایا۔ یہ خبر سُنتے ہی وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ (شاید ابوجہل کی طرف اشارہ ہے) اور اسے اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتایا۔ یہ خبر سُنتے ہی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔

(عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۸)

سیّدنا عمرؓ جس روز مُسلمان ہُوئے اگرچہ آپ جری اور بہادر تھے اور مکّہ کا ہر شخص اُن سے دبتا تھا، لیکن چونکہ معاملہ عقیدہ اور دین کا تھا اس وجہ سے سارا مکّہ برافروختہ ہوگیا۔ ایک بہت بڑا ہجوم ان پر چڑھ دوڑا۔ آپ کے صاحبزادے سیّدنا عبداللہ بن عمرؓ جن کی عمرؓ اس وقت چھ سال کے قریب تھی۔ فرماتے ہیں کہ مَیں مکان کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ پُورا میدان برافروختہ ہجوم سے پٹا ہُوا تھا۔ سب طرف یہی شور تھا "صبا عمرؓ عمر بے دین ہوگیا۔ سیّدنا عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہجوم نے گھر پر ہلّہ بول دیا ہُوا تھا اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دی جارہی تھیں اور سیّدنا عمرؓ گھر کے اندر تھے۔ اس دوران ایک شخص آیا۔ وہ بڑی شان و شوکت کا آدمی تھا۔ یمنی ازار اور چادر جو "حبرہ" کہلاتی تھی، زیب تن تھی قمیص میں ریشمی کپڑے کی کفنیں لگی ہُوئی تھیں۔ وہ شخص ہجوم کو چیرتا ہُوا مکان کے اندر عمرؓ کے پاس پہنچا اور اُن سے دریافت کیا۔ کیا بات ہے؟ یہ ہجوم کیسا ہے؟" آپ کی قوم کے آدمی کہہ رہے ہیں کہ عمرؓ کو مار ڈالیں گے، اس جرم میں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔" سیّدنا عمرؓ نے جواب دیا۔ اس رئیس نے جواب دیا: "ایسا ہرگز ممکن نہیں" اس شخص کی یہ بات سُن کر مجھے اطمینان ہوگیا۔ اس کے بعد وہ شخص وہاں سے نکلا اور ہجوم سے کہنے لگا: "اگر ایک

شخص کا رجحانِ طبع کسی دوسری طرف ہو گیا ہے تو تمہارا اس میں کیا ہے؟" اور کہا: "جب بنی عدی بن کعب (سیّدنا عمرؓ کا قبیلہ) کو معلوم ہوگا کہ تم ان سے برسرِ پرخاش ہو تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟" اس کے بعد اس نے کہا کہ اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ عمرؓ میری پناہ میں ہے۔ تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ سیّدنا عبداللہؓ فرماتے ہیں جیسے ہی اس شخص کی زبان سے اَمن اور پناہ کے الفاظ نکلے تمام ہجوم کائی کی طرح چھٹ گیا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۴۵، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۹، عیون الاثر ج ۱ ص ۲۲۰)

روایت کے آخر میں ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عمرؓ کا اس وقت بچپنہ تھا۔ وہ عاص بن وائل السہمی کو نہیں پہچانتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب بڑے ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد محترم سے پوچھا: "ابّا! وہ کون شخص تھا جس نے ہجوم کو منتشر کیا تھا؟ سیّدنا عمرؓ نے جواب دیا: "وہ عاص بن وائل السہمی تھا جو بنو سہم کا رئیس تھا۔"

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۹۰، ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۹، فتح الباری ج ۷ ص ۳۵)

یہ عاص بن وائل السہمی سیّدنا عمرو بن العاصؓ کا والد تھا۔ (قسطلانی ج ۴ ص ۲۹) اس کو عاص بن وائل بھی کہتے تھے۔ یہ شخص مُسلمان نہیں ہُوا۔ یہ دہریہ اور زندیق قسم کا آدمی تھا۔ عرب میں چار آدمی ایسے تھے جو خدا کو بھی نہیں مانتے تھے۔ دہریہ اور زندیق تھے وہ چار یہ تھے۔ عاص بن وائل عقبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف اور ولید بن مغیرہ (والد سیّدنا خالد بن ولید سیف اللہؓ)

(عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۴۴۴) یہ عاص بن وائل ایک طرف تو اسلام کا سخت ترین دُشمن ہے اور دوسری طرف سیّدنا عمرؓ کو پناہ دے رہا ہے

ایک اور روایت جس کو ابونعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے دلائل میں اسلمؒ سے روایت کیا ہے یہ ہے کہ ہجوم کو ـــــ منتشر کرنے والا ابوجہل تھا۔ جب سیّدنا عمرؓ تن تنہا دُشمنوں کے نرغے میں تھے۔ لوگ ان کو جان سے مار ڈالنے کے درپے تھے تو ابوجہل کو اس کی اطّلاع ہُوئی وہ فوراً آیا اور لوگوں سے کہا کہ مَیں نے اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے یہ سُن کر ہجوم منتشر ہو گیا۔ سیّدنا عمرؓ فرماتے ہیں چونکہ مجھے یہ بات قطعاً گوارا نہ تھی کہ کافر مُسلمانوں کو بدستور زدوکوب کرتے رہیں اور مَیں کھڑا دیکھا کروں۔ اس خیال سے مَیں اپنے ماموں (ابوجہل)

کے پاس گیا اور برملا کہہ دیا کہ میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۷۸)

لیکن علامہ ابن الجوزی نے سیّدنا عمرؓ کا جو بیان اپنی کتاب "سیرۃ عمر بن الخطاب" میں نقل کیا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے والا نہ عاص بن وائل تھا اور نہ ابوجہل بلکہ سیّدنا عمرؓ کا حقیقی ماموں عاص بن ہاشم تھا اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ سیّدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب جمیل بن معمر باآواز بلند پکارنے لگا کہ خطاب کا بیٹا صابی ہوگیا تو لوگ مجھ پر پل پڑے وہ مجھے مارتے تھے اور مَیں اُنہیں مارتا تھا۔ میرے ماموں نے آکر کہا: "لوگو! مَیں نے اپنے بھانجے کو پناہ دی ہے۔ اب کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے، چنانچہ تمام لوگ مجھ سے الگ ہوگئے۔

اس کے بعد میرے لیے یہ بات ناگواری کا باعث تھی کہ کوئی دوسرا مسلمان پٹتا نظر آئے لیکن دُشمنانِ دین کی ظلم رانی اور ستم کشی مجھے برابر اس المناک اور اندوہ ناک منظر کو دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی، چنانچہ مَیں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بات حمیت دینی کے سخت خلاف ہے کہ دوسرے مسلمان تو برابر پٹ رہے ہوں، لیکن میری طرف کوئی اُنگلی بھی نہ اُٹھائے۔ آخر ایک روز علی الصبح تمام لوگ حسبِ معمول حجر میں بیٹھے ہوئے تھے تو مَیں اپنے ماموں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ مَیں تمہیں تمہاری حمایت اور پناہ واپس دیتا ہوں۔ اس نے کہا ایسا ہرگز نہ کرو۔ مَیں نے برابر انکار کیا۔ ماموں نے پوچھا: "تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟" میں نے کہا: میری یہ خواہش ہے کہ میں پیٹوں اور پیٹا جاؤں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائیں۔"

(سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۱۱)

ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ بخدا! ایسا لگتا تھا کیونکہ وہ لوگ (یعنی وہ ہجوم جو سیّدنا عمرؓ پر ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک کپڑا تھا جسے اس کے اُوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا۔

(ابن ہشام ج ۱ ص ۲۴۹)

خلاصہ یہ کہ سیّدنا عمرؓ کا اسلام خرمنِ کُفر پر برقِ سوزاں بن کر گرا۔ سیّدنا حمزہؓ اور سیّدنا عمرؓ کے اسلام لانے نے کُفر کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیّت پیدا کر دی۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ اُدھر مسلمانوں کی کیفیّت اس سے بالکل مختلف تھی۔ اب قریشِ مکّہ کی چیرہ دستی کے بعد

سیّدنا عمرؓ کا دریائے ختم بُت پرستوں کے خلاف ہر وقت موجزن رہنے لگا۔ ایک روز اُنھوں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ بارگاہِ نُبوّت میں عرض کیا: "یارسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا: "کیوں نہیں! ہم یقیناً حق پر ہیں"۔ سیّدنا عمرؓ نے عرض کی، پھر یہ نہایت تعجّب کی بات ہے کہ مشرکین تو علی الاعلان بُت پرستی کریں، لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید کے علم بردار چھپ کر اپنے خدا کی عبادت کریں۔ چنانچہ سیّدنا ابن عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک روز سیّدنا عمرؓ سے پُوچھا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب "فاروق" پڑا؟ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھ سے تین روز پہلے سیّدنا حمزہؓ دائرۂ اسلام میں داخل ہُوئے تھے۔ پھر جب میں مُسلمان ہُوا تو مَیں نے بارگاہِ رسالت پناہ میں عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ خواہ زندہ رہیں یا مریں؟" آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ حق پر ہو، خواہ زندہ رہو یا اس دُنیا سے انتقال کر جاؤ۔ سیّدنا عمرؓ فرماتے ہیں تب مَیں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر یہ چھپنا کیسا؟ اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپ کو ساتھ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں سیّدنا حمزہؓ تھے اور دوسری صف میں مَیں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اُڑ رہا تھا حتّٰی کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ سیّدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے مجھے اور سیّدنا حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پہ ایسی چوٹ لگی جو اَب تک نہ لگی تھی۔ اسی روز سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔ (فسمانی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الفاروق)

(سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۶-۷، صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۷۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱، ص ۷۹-۸۰، تاریخ الاسلام الذہبی ج ۱ ص ۱۸۰)

اسی قسم کی ایک روایت شرح مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۷۷ میں بھی ہے۔

اہلِ اسلام کا دارِ ارقم سے نکل کر مسجد الحرام میں آنا سیّدنا عمرؓ کا ایک بہترین کارنامہ تھا۔ اس سے ایک تو اسلام اور اہلِ اسلام کو تقویّت ملی۔ دوسرے رؤسائے قریش کو اپنے جبر و

استبداد کا ایوان سرنگوں ہوتا دکھائی دیا۔ اور وہ سیّدنا عمرؓ اور سیّدنا حمزہؓ کو مُسلمانوں کے حلقہ میں دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ اسی وجہ سے سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے:

"عمرؓ کا اسلام گویا فتحِ اسلام تھی، اور ان کی ہجرت نُصرت تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ اُن کے مُسلمان ہونے سے پہلے ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد الحرام میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں، لیکن عمرؓ کے مُسلمان ہونے کے بعد ہم بلاخوف وخطر مسجد الحرام میں نماز پڑھنے لگے۔" (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۷۹)

بخاری میں انہی سیّدنا ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ "جب سے سیّدنا عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزّت رہے۔"

(بخاری ج ۱ ص ۵۴۵، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۶۹)

سیّدنا صہیب رومیؓ فرماتے ہیں کہ سیّدنا عمرؓ جب مُسلمان ہُوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا۔ اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی اور حالت یہ ہوگئی کہ ہم حلقے بنا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے۔ بیت اللہ کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اور ہم سے چیرہ دستی سے پیش آیا اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب بھی دیا۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۳)

سیّدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب سیّدنا عمرؓ دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہُوئے تو اسلام بمنزلہ ایک اقبال مند آدمی کے ہوگیا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۷)

الحاج سید امین گیلانی

درد دے کر مجھے رونے کا بہانہ دیدے

دل کے بدلے میں جو قاروں کا خزانہ دیدے
مَیں تو ٹھکرا دوں اگر مجھ کو زمانہ دیدے

مَیں تو سمجھوں گا یہ ہے تخت مرا بخت مرا
اپنی دہلیز پہ تُو مجھ کو ٹھکانہ دیدے

اے مری جان مَیں کیا مانگوں یہی کافی ہے
درد دے کر مجھے رونے کا بہانہ دیدے

غیر کے در پہ مَیں کیوں جاؤں سوالی بن کر
تو مجھے پارچہ نانِ شبانہ دے دے

اے خدا مَیں نے بڑی چیز کوئی مانگی ہے
فقر دے کر مجھے اندازِ شہانہ دیدے

مَیں نے کیا کرنی ہے لے کر یہ قبائے دارا
مجھ کو کمبل وہ ابوذرؓ کا پرانا دیدے

گاڑ کر نیزہ میں سو جاتا تھا صحراؤں میں
اے خدا مجھ کو وُہی میرا زمانہ دیدے

دیدے واپس وہی انداز وہی شان مری
خاک کا فرش وہ پتّھر کا سرہانہ دیدے

مرد جو رکھ نہ سکے قبضۂ شمشیر پہ ہاتھ
ایسے نامرد کو آئینہ و شانہ دیدے

ڈھنگ جینے کا اگر سیکھنا چاہے کوئی
اُس کو پڑھنے کے لیے میرا فسانہ دیدے

میرے اِس درد کو تُو سینہ بہ سینہ پہنچا
میرا پیغام یہ تُو خانہ بہ خانہ دیدے

جس میں رہتے تھے بڑے پیار سے باہم یارب
پھر امیںؔ کو تُو وہی گھر، وہ گھرانہ دیدے

(قسط ۴)

جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات

"قانونِ میراث" کا تنقیدی جائزہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

اسی مسئلہ (یعنی عول اور دو زائد لڑکیوں کے لیے کل ترکہ کا دو تہائی ہونا) کے تحت جاوید غامدی صاحب نے جصاص رحمہ اللہ کی احکام القرآن سے ایک تبصرہ نقل کیا ہے۔ ہم اسے نقل کرکے آگے اس پر اپنا کلام کریں گے۔

جصاص اپنی کتاب کے 'باب العول' میں لکھتے ہیں

"عن عطاء بن ابی رباح قال سمعت ابن عبّاس ذکر الفرائض وعولها فقال أترون الذی احصی رمل عالج عددا جعل فی مال قسمه نصفا و نصفا و ثلثا فهذا النصف و هذا النصف فاین موضع الثلث۔ قال عطاء فقلت لابن عبّاس یا ابا عبّاس ان هذا لا یغنی عنك ولا عنی شیئا لومتَ اومتَ قسم میراثنا علی ما علیه القوم من خلاف رأیك و أیی۔ قال فان

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کو فرائض اور ان میں عول کا ذکر کرتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے، کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ جس نے ریت کے ذروں کو گن لیا وہ مال کی تقسیم نصف اور نصف اور ثلث میں کرے گا۔ پھر یہ نصف اور یہ نصف تو ثلث کا کیا محل ہے؟ عطا کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے ابوعبّاس مجھے اور آپ کو اس کا کیا فائدہ۔ ہم دُنیا سے رُخصت ہوئے تو ہماری میراث بھی اسی طریقے کے مطابق تقسیم کی جائے گی جو لوگوں نے ہماری

شاءوا فلندع ابناءنا و ابناءهم و نساءنا ونساءهم و انفسنا وانفسهم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين ما جعل الله فى مال نصفا و نصفا وثلثا۔

رائے کے خلاف اختیار کر رکھا ہے ابن عباسؓ نے یہ سُن کر فرمایا پھر ہم اور وہ خود بھی آجائیں اور اپنے بال بچّوں کو بھی لے آئیں اور مل کر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پہ خدا کی لعنت ہو۔ اللہ نے کسی مال کی تقسیم نصف اور نصف اور ثلث میں نہیں کی۔ (میزان ص۵۳)

جاوید غامدی صاحب نے جصاص کی ـــ احکام القرآن سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا تنقید سے پُر تبصرہ تو نقل کر دیا، لیکن اس بات کی تحقیق کرنے یا نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ عول کی صورتوں میں خود حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں جس سے واضح ہوجاتا کہ یہ تبصرہ جاوید غامدی صاحب کو چنداں مفید نہیں۔

علم الفرائض کی مشہور کتاب سراجیہ کی شرح شریفیہ میں ہے۔

وسأله رجل كيف تصنع بالفريضة العائلة فقال ادخل الضرر على من هو اسوأ حالا وهى البنات والاخوات فانهن ينتقلن من فرض مقدر إلى فرض غير مقدر ـــــــــــ

ایک شخص نے ابن عبّاسؓ سے پُوچھا کہ آپ عول والے فریضہ میں کیا کرتے ہیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ میں نقصان کو ان پر ڈالتا ہوں جو کمتر حالت والے ہیں اور وہ بیٹیاں اور بہنیں ہیں کیونکہ وہ متعیّن حصّے سے غیر متعیّن حصّے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

ـــ و يؤيد كلامه انه اذا تعلقت حقوق بمالٍ لا يفى بها يقدم منها ماكان اقوى كالتجهيز والدين والوصية والميراث فاذا ضاقت التركة عن الفروض

ان کے کلام کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جب حقوق کسی مال کے ساتھ متعلّق ہوں اور وہ مال ان کو پُورا نہ ہو تو ان میں جو قوی تر حق ہوگا اس کو مقدم کیا جائے گا۔ مثلاً تجہیز اور دین اور وصیّت

یقدم الاقوی ۔ ولا شك ان من	اور میراث ۔ تو جب ترکہ حصّوں سے کم ہو
ینقل من فرض مقدر الی	جائے تو قوی تر کو مقدم کیا جائے گا اور اس
فرض آخر مقدر یکون صاحب فرض	میں شک نہیں ہے کہ جو ایک متعیّن حصّے
من کل وجه فیکون اقوی	سے دوسرے متعیّن حصّے کی طرف منتقل
ممن ینقل من فرض	ہوتا ہے وہ ہر اعتبار سے حصّہ والا ہے لہٰذا
مقدر الی فرض غیر مقدر	وہ قوی تر ہے بہ نسبت اس کے جو متعیّن حصّے
لانه صاحب فرض من وجه	سے غیر متعیّن حصّے کی طرف منتقل ہوتا ہے
وعصبة من وجه فادخال	کیونکہ یہ من وجہ حصّہ والا ہے اور من وجہ
النقص والحرمان علیه أولی	عصبہ ہے پس نقص و حرمان کو اس شخص
لان ذوی الفروض مقدمون	پر داخل کرنا اولی ہے ۔ کیونکہ حصے والے
علی العصبات ص۵۵ (مطبع علیمی)	عصبات پر مقدم ہوتے ہیں۔

اوّل تو ابن عبّاس رضی اللہ عنہ بھی پورے ترکہ میں سے دو لڑکیوں کے لیے دو تہائی حصّے کے قائل ہیں۔ اسی لیے وہ تقسیم کی ایک اور صُورت نکالتے ہیں کہ کم تر حالات والے ورثا۔ جو کہ بیٹیاں اور بہنیں ہیں انکے حصّے میں کمی کر دی جائے ۔ نیز جاوید صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ دیکھیں ، عُطا کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے ابو عبّاس مجھے اور آپ کو اس کا کیا فائدہ ہم دُنیا سے رُخصت ہوتے تو ہماری میراث بھی اسی طریقے کے مطابق تقسیم کی جائے گی جو لوگوں نے ہماری رائے کے خلاف اختیار کر رکھا ہے (ص۵۳ میزان) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت باقی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین عول کے قول کو اختیار کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ عطا رحمہ اللہ کو اُمید نہ تھی کہ اور لوگ ان کی رائے سے موافقت کریں گے بلکہ اپنے خاندان والے بھی مخالف تھے۔

شریفیہ شرح سراجیہ میں حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ کے قول کے جواب میں جمہور کی طرف سے یہ دلیل دی گئی۔

ولنا ان اصحاب الفروض	ہماری دلیل یہ ہے کہ ترکہ میں شریک حصّوں کے
المجتمعة فی الترکة قد تساووا	اصحاب سببِ استحقاق میں برابر ہیں جب

فی سبب الاستحقاق وھو النص فیتساوون فی الاستحقاق وحینئذٍ یاخذ کل واحد منھم جمیع حقه ان اتسع المحل ویضر بجمیع حقه اذا ضاق المحل کالغرماء فی التركة فاذا اوجب الله تعالیٰ فی مال نصفین و ثلثا مثلا علم ان المراد الضرب لھذہ الفروض فی ذلك المال لاستحالة وفائه بھا بخلاف التجھیز و اخوته فانھا حقوق مرتبة کما سلف۔ والنقل من الفروض الی العصوبة لا یوجب ضعفا لان العصوبة اقوی اسباب الارث فکیف یثبت النقصان او الحرمان بھذا الاعتبار فی بعض الاحوال فاذن الحق ما علیه عامة الصحابة و جمھور الفقھاء۔

پر نص موجود ہے۔ لہٰذا یہ استحقاق میں برابر ہوں گے اور اس وقت اگر ترکہ میں وسعت ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنا پورا حصہ لے گا، اور اگر ترکہ میں تنگی ہو تو سب کے حق میں کمی آئے گی جیسا کہ قرض میں قرض خواہوں کے ساتھ ہوتا ہے (مثلاً مقروض کے پاس صرف نو سو روپے ہیں جبکہ اس نے ایک کے چھ سو اور دوسرے کو بارہ سو واپس کرنے ہیں۔ تو یہ نو سو دونوں میں تناسب سے کمی کر کے چھ سو والے کو تین سو اور بارہ سو والے کو چھ سو روپے دیں گے) تو مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے نصف اور دو تہائی کا ایجاب کیا اور ترکہ ان حصّوں میں پورا تقسیم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ مراد ان حصّوں کو اس مال میں ضرب دینا ہے۔ تجہیز وغیرہ کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کیونکہ ان حقوق میں ترتیب ہے (اکٹھے نہیں ہیں) اور فروض (مقرر حصّوں) سے عصبہ کی طرف منتقل ہونا ضعف کا سبب نہیں ہے کیونکہ عصوبت اسباب میراث میں سے قوی تر سبب ہے۔ تو اس اعتبار سے تو وہ نقصان یا محرومی کا سبب کیسے بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں حق وہی ہے جس کو عامہ صحابہ اور جمہور فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

جاوید صاحب کا مقصد تو فقہاء پر طعنہ زنی تھی ورنہ دیانتداری تو یہ تھی کہ وہ یہ بھی دکھاتے کہ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے برعکس عامہ صحابہ اور جمہور فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے۔ جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والحجة للقول الأول ان الله تعالى قد سمى للزوج النصف وللاخت من الاب والام النصف وللاخوة من الام الثلث و لم يفرق بين حال اجتماعهم و انفرادهم فوجب استعمال نص الآية في كل موضع على حسب الامكان فاذا انفردوا واتسع المال لسهامهم قسم بينهم عليها واذا اجتمعوا وجب استعمال حكم الآية في التضارب بها۔ ومن اقتصر على بعض واسقط بعضا أو نقص نصيب بعض و وفى الآخرين كمال سهامهم فقد ادخل الـ على بعضهم مع مساواته للآخرين في التسمية فاما ما قاله ابن

قول اوّل کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لیے نصف ذکر کیا اور حقیقی بہن کے لیے بھی نصف ذکر کیا اور اخیافی بھائیوں کے لیے تہائی ذکر کیا۔ اور ان کے اجتماع و انفراد کی حالتوں کے مابین فرق نہیں کیا لہٰذا واجب ہے کہ آیت کی تصریح کے مطابق ہر موقع پر بقدر ممکن عمل کیا جائے جب وہ منفرد ہوں اور مال میں اُن کے حصّوں کے لیے وسعت ہو تو مال کو ان کے حصّوں کے درمیان حصّوں کے بقدر تقسیم کر دیا جائے گا اور جب وہ مجتمع ہوں تو آیت کے حکم پر حصّوں کے ساتھ ضرب دے کر عمل کیا جائے گا اور اس کے برعکس جو شخص بعض کو دے اور بعض کو سرے سے نہ دے یا بعض کے حصّے کو کم کر دے تو اس نے ان پر ظلم کیا کیونکہ حصّوں کے بیان میں ان (مظلوموں) کا ذکر دوسرے حصہ داروں کے مساوی ہُوا ہے۔ رہا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اس کو پہلے دیا جائے گا اور جس کو مؤخر کیا تو مقدم

ابن عبّاس من تقديم من قدم الله تعالىٰ و تاخير من اخر فانما قدم بعضا و اخر بعضا وجعل له الباقى فى حال التعصيب فاما حال التسمية التى لا تعصيب فيها فليس واحد منهم اولى بالتقديم من الآخر الاترى ان الاخت منصوص على فرضها بقوله تعالى (وله اخت فلها نصف ما ترك) كنصه على فرض الزوج والام والاخوة من الام فمن اين وجب تقديم هؤلاء عليها فى هذه الحال۔ وقد نص الله تعالىٰ على فرضها فى هذه الحال كما نص على فرض الذين معها وليس يجب لان الله ازال فرضها الى غير فرض فى موضع ان يزيل فرضها فى الحال التى نص

والوں سے جو مال باقی بچے وہ اس کو دیا جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیم و تاخیر اس حالت میں تو تسلیم شدہ ہے کہ مقرّرہ حصّوں والوں کو مقدم کیا اور عصبہ کو مؤخر کیا، لیکن حصّوں کے بیان کی وہ حالت جس میں سب مقرّرہ حصوں والے ہوں اور کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر ایک کو دوسرے پر تقدیم حاصل نہیں ہوتی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ بہن کے حصّے پر جہاں یہ آیت نص ہے۔ وله اخت فلها نصف ما ترك اسی طرح شوہر ماں اور اضافی (یعنی ماں شریک) بھائیوں کے حصّوں پر بھی نص موجود ہے۔ پس ان لوگوں کی بہن کے حصّے پر تقدیم کیوں کر واجب ہو گئی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بہن کے حصّے کی تصریح کی ہے جیسا کہ ان لوگوں کے حصّوں کی تصریح کی جو اس کے ساتھ ہوں اور یہ واجب نہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک حالت میں بہن کے متعیّن حصّے کو غیر متعیّن کی طرف ہٹایا ہے تو دوسری حالت میں بھی اس کو اس متعیّن حصّے سے ہٹایا جائے جس کی تصریح نص میں کی گئی ہے۔ پس یہ قول میراث کے حصّوں والی آیتوں کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس قول سے زیادہ شنیع ہے

علیه فیها فهذا القول اشنع فی مخالفة الآی التی فیها سهام المواریث من القول باثبات نصف و نصف و ثلث علی وجه المضاربة بها ولذلك نظائر فی المواریث من الاصول ایضا قال الله تعالیٰ رمن بعد وصیة یوصی بها أو دین) فلو ترك المیت الف درهم و علیه دین لرجل الف درهم ولآخر خمس مأة و لآخر الف کانت الالف المتروکة مقسومة بینهم علی قدر دیونهم و لیس یجوز ان یقال لما لم یمکن استیفاء الفین و خمس مأة من الف استحال الضرب بها۔ وکذلك لو اوصی رجل بثلث ماله لرجل بسدسه لآخر و لم تجز ذلك الورثة تضاربا فی الثلث بقدر وصایاهم لیضرب احدهما بالسدس والآخر بالثلث مع استحالة استیفاء النصف

جس میں نصف اور نصف اور تہائی کا تضارب کے طریقے پر اثبات کیا گیا ہے میراث میں اس کے اُصولی نظائر بھی موجود ہیں۔ فرمان الٰہی ہے من بعد وصیة یوصی بها او دین۔ تو اگر میت نے ایک ہزار درہم چھوڑے جبکہ وہ ایک کا ہزار روپے کا مقروض دوسرے کا بھی ہزار روپے کا مقروض ہو اور تیسرے کا پانچ سو کا مقروض ہو تو ترکہ کے ہزار روپے قرض خواہوں میں ان کے قرضوں کے تناسب سے تقسیم کیے جائیں گے۔ (یعنی ہزار قرض والے کو چار سو روپے اور پانچ سو قرض والے کو دو سو روپے دیں گے) اور یہ کہنا جائز نہیں کہ چونکہ کل قرض ڈھائی ہزار روپے کو ایک ہزار میں سے وصول کرنا ممکن نہیں لہٰذا قرضوں کو ترکہ میں ضرب دینا بھی ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیّت کی اور دوسرے کے لیے اپنے مال کے چھٹے حصّے کی وصیّت کی اور ورثاء نے تہائی وصیّت سے زائد کی اجازت نہیں دی تو ان کی وصیّتوں کے بقدر تہائی میں دونوں کا تضارب کیا جائے گا پس ان میں سے ایک کے لیے $\frac{1}{6}$ کے ساتھ ضرب دیا جائے گا اور دوسرے کے لیے $\frac{1}{3}$ کے

من الثلث - وكذلك الابن يستحق جميع المال لو انفرد وللبنت النصف لو انفردت فاذا اجتمعا ضرب الابن بجميع المال والبنت بالنصف فيكون المال بينهما اثلاثا وهكذا سبيل العول في الفرائض عند تدافع السهام

ساتھ ضرب دیا جائے گا جبکہ نصف کو (جو کہ تہائی اور چھٹے حصّے کا مجموعہ ہے) تہائی میں سے وصول کرنا محال ہے اسی طرح اگر بیٹا تنہا ہو تو وہ کل مال کا مستحق ہوتا ہے اور بیٹی تنہا ہو تو وہ نصف کی مستحق ہوتی ہے اور مال کی تقسیم دونوں میں تہائیوں میں ہوتی ہے اور حصّے جب متعیّن ہوں اور ان میں ٹکراؤ ہو تو اس کے حل کا طریقہ عول کا ہے۔

واللہ اعلم (ص ۹۱ ج ۲ احکام القرآن)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مذکورہ آیات کے ترجمے اور اسلوب کو دیکھتے ہوئے ان پر عمل کے لیے عول کے طریقے سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ان لوگوں کے عالی ذہنوں میں ڈالا جن کو فقہا کہا جاتا ہے اور فقہاء صحابہ میں بھی تھے۔ تابعین میں بھی اور بعد والوں میں بھی۔ جاوید صاحب جب فقہاء کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں طنز و تشنیع صاف محسوس ہوتی ہے، لیکن کوئی سورج پر تھوکے تو اپنے ہی اُوپر آ کر گرتا ہے اور یہ اُسی کا اثر ہے کہ جاوید صاحب سے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جو ذرا بھی عقل و علم رکھنے والے سے سرزد نہیں ہوتیں۔

جاوید غامدی صاحب کی چوتھی غلطی اور اس کا جواب

جاوید غامدی صاحب لکھتے ہیں۔

"فان كان له اخوة فلامه السدس کے بعد بھی ہمارے نزدیک ولابیه السدس ایضا یا اس کے ہم معنی الفاظ حذف ہو گئے ہیں۔ اس کا قرینہ واضح ہے۔ بھائی بہن موجود ہوں تو ماں کا حصّہ وہی ہے جو اُوپر اولاد کی موجودگی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مذکور اس بات پر خود دلیل ہے کہ باپ کا حصّہ بھی وہی ہونا چاہیے۔ اس کو الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پڑھنے والا صاحب ذوق ہو تو بغیر کسی تکلّف کے سمجھ لے گا کہ جب ماں کا حصّہ اصل کی طرف لوٹ گیا تو باپ کا حصّہ خود بخود لوٹ جائے گا۔

ہمارے فقہاء ماں کو چھٹا حصّہ دینے کے بعد باقی سارا مال باپ کو دلواتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے فان کان لہ اخوۃ کو ورثہ ابواہ سے متعلق مانا ہے حالانکہ کلام کی تالیف کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔ فان لم یکن لہ ولد سے جو شرطیہ جملہ شروع ہوا تھا وہ اپنی جزا فلامہ الثلث پر ختم ہوگیا۔ اس کے بعد اگر ورثہ ابواہ پر کسی شرط زائد کا تذکرہ مقصود ہوتا تو اس کے لیے موزوں اسلوب فان کان لھما ولد فلامہ السدس کا تھا۔ فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس شرط و جزا پر مشتمل ایک مستقل جملہ ہے جس میں مرنے والے ہی کے لیے ایک مزید وصف کا تذکرہ شرطیہ اسلوب میں ہُوا ہے لہٰذا اس کا تعلّق اگر ہوسکتا ہے تو فان لم یکن لہ ولد ہی سے ہوسکتا ہے۔ گویا ایک نوع کی عدم موجودگی سے والدین کے حصّے میں جو اضافہ ہُوا تھا ایک دوسری نوع کی موجودگی نے اسے ختم کر دیا۔ ہم اسی بات کو اپنی زبان میں ادا کرنا چاہیں تو کہیں گے۔ اولاد موجود ہو تو والدین کا حصّہ ایک تہائی ہے اور اگر اولاد نہ ہو اور والدین ہی وارث ہوں تو سارا ترکہ ان کا ہے اور اگر بہن بھائی ہوں تو والدین کو ایک تہائی ملے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حکم کی جو صورت اولاد کی موجودگی میں تھی۔ بھائی بہن موجود ہوں تو وہی صورت لوٹ آئے گی۔

ان آیات سے واضح ہے کہ اولاد کی غیر موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے بہن بھائیوں کو اُن کا قائم مقام ٹھہرایا ہے...

اخوۃ کا لفظ اس آیت میں ہمارے نزدیک مطلق وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ بھائی بہنوں کی موجودگی میں عام اس سے کہ وہ ایک ہوں یا دو یا دو سے زیادہ ہوں۔ والدین کا حصّہ کم ہوجائے گا۔ اس طرح کے اسلوب میں جمع تعداد میں کثرت کو بیان کرنے کے لیے نہیں لائی جاتی۔ لغت عرب میں جس طرح بعض مفرد الفاظ مثنی اور جمع پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح قرینہ دلیل ہو تو جمع کا اطلاق مثنی و مفرد پر بھی ہوتا ہے... ماہرین فقہ و قانون یہاں جمع و مثنی کی بحث کرنے پر مصر ہیں۔ قیاس و اجتہاد میں ان حضرات کے مقام بلند سے مجال انکار نہیں لیکن آیات کا میراث کی تاویل میں قدم قدم پر وہی معاملہ ہے کہ ع بہر زمین کہ رسیدیم آسماں پیدا است ص ۵۵ تا ۵۷ میزان

جاوید غامدی صاحب کی اس طویل عبارت کے آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مجتہد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ اُصول بلاغت اور اسالیب قرآنی سے واقف ہو۔ اسی لیے کہتے ہیں، "قیاس و اجتہاد میں ان حضرات کے مقام بلند سے مجال انکار نہیں، لیکن آیات میراث کی تاویل میں قدم قدم پر وہی معاملہ ہے کہ ع بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیدا است" حالانکہ خود غامدی صاحب کے استاذ امام امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔

"اجتہاد کا اہل وہ شخص ہے جس کو کتاب و سُنّت پر پُورا پُورا عبور حاصل ہو" ص ۴۹

"یہ (یعنی ہمارے چاروں) ائمہ کتاب و سُنّت کے علم میں بھی یکتائے روزگار تھے" ص ۵۰

اب سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کے علم میں یکتائے روزگار ہو اور اس کو اس پر پُورا پُورا عبور حاصل ہو کیا وہ ذوق عربیت اور اسالیب کلام سے ناواقف ہو سکتا ہے۔ غامدی صاحب ائمہ مجتہدین پر اعتراض کرتے ہوئے اس بات سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں کہ خود انکے کلام میں کیسا تضاد پیدا ہو گیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں غامدی صاحب نے اپنی جانب سے جو نئی بات نکالی ہے وہ یہ ہے کہ اخوۃ کی موجودگی میں خواہ وہ ایک ہی بھائی یا بہن ہو باپ کا حصّہ ترکہ کا چھٹا حصّہ ہو گا اور باقی اخوۃ میں تقسیم ہو گا۔

جاوید غامدی صاحب کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ خود اُنھوں نے میزان ص ۶۵ پر یہ حدیث نقل کی اور اس کو حجّت بنایا۔

عن ابن عبّاس قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الحقوا الفرائض باھلھا فما ترکت الفرائض فھو لاولی رجل ذکر	حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اصحاب فرائض کو اُن کا حصّہ دو پھر اگر کچھ باقی بچے تو وہ قریب ترین مرد کے لیے ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ اصحاب فرائض کے بعد عصبات کی باری آتی ہے اور عصبات کے

لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اصحاب فرائض نہ ہو۔

عن عمران بن حصين قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان ابنى مات فمالى من ميراثه؟ قال لك السدس ۔ فلما ادبر دعاه فقال سدس آخر فلما ادبر دعاه فقال لك السدس الآخر طعمة" (اعلاء السنن ص ۳۶۳ ج ۱۸)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میرا پوتا مرگیا تو میرے لیے اس کی میراث میں سے کتنا حصّہ ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے لیے چھٹا حصّہ ہے۔ جب وہ مڑا تو آپ نے اسکو بلایا اور فرمایا (تیرے لیے) ایک چھٹا حصّہ اور ہے۔ پھر جب وہ مڑا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا یہ دوسرا چھٹا حصّہ تیرے لیے رزق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پہلا چھٹا حصّہ تو دادا کو اصحاب فرائض میں سے ہونے کی بناء پر ملا اور دوسرا چھٹا حصّہ دیگر اصحاب فرائض (جو غالباً دو بہنیں یا دو بیٹیاں ہوں گی) کو دینے کے بعد بچنے والا مال تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دادا کو قریب ترین مرد ہونے کی بناء پر دیا

غرض اصحاب فرائض اگر میّت کے قریب ترین مرد ہوں تو اپنا مقرّرہ حصّہ لینے کے بعد وہ آخر میں بچنے والے مال کو عصبہ بن کر لیتے ہیں۔ اب ان مثالوں پر غور کیجیے۔

۱۔ میّت کے وارثوں میں ایک بہن ہے اور ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ دیں گے اور بہن بھی اصحاب فرائض میں سے ہونے کی بناء پر اپنا نصف حصّہ لے گی۔ اب باقی بچ رہنے والے مال کا مستحق کون ہے؟ اُوپر مذکور حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مندرج قاعدے کی بناء پر باقی مال باپ کو ملنا چاہیے اور غامدی صاحب بھی اس حدیث کو حجّت مانتے ہیں، لیکن آیت کے اس مقام پہ غامدی صاحب نے ایک نیا آسمان دریافت کیا ہے وہ یہ کہ باپ کو صرف چھٹا حصّہ ملے گا اور ماں باپ سے بچ رہنے والے چھ میں سے چار حصّے بہن کو ملیں گے۔

غامدی صاحب نے یہ کہہ کر کہ "اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حکم کی جو صورت اولاد کی موجودگی

میں تھی - بھائی بہن موجود ہوں تو وہی صُورت لوٹ آئے گی"۔ اخوۃ کو اولاد کی مماثل نوع بتایا۔ لہٰذا اب ہم اس پر غور کریں کہ میّت کے وارثوں میں صرف ماں باپ اور ایک بیٹی ہو تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ اور بیٹی کو نصف دے کر باقی چھٹا حصّہ کس کو دیا جائے۔ بیٹی چونکہ ایک ہے اس لیے اس کو نصف سے زیادہ نہیں دے سکتے کیونکہ اس کے لیے نصف ہونے کی اس آیت میں تصریح کی گئی ہے یعنی وان کانت واحدۃ فلھا النصف (اور بیٹی اگر ایک ہو تو اس کے لیے نصف حصّہ ہے) اور چونکہ یہ الفاظ فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک کے تحت مندرج ہیں یعنی وان کانت واحدۃ کا عطف ان کن نساء فوق اثنتین پر ہے لہٰذا کلمہ فاء کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور جب خود غامدی صاحب یہ کہتے ہیں " فان کن نساء فوق اثنتین کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں تو خواہ دو ہوں یا دو سے زائد اُن کا حصّہ بہرحال دو تہائی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ اولاد میں اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصّہ بھی بہرحال نصف سے زیادہ نہیں ہوگا"۔

جب بخوبی واضح ہوگیا کہ اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصّہ کسی حال میں بھی نصف سے زائد نہیں ہوگا تو اب اُوپر مذکورہ صُورت میں سوال پیدا ہُوا کہ بقیہ چھٹا حصّہ کس کو دیا جائے ؟ لامحالہ وہ باپ کو ملے گا جو عصبہ بن کر اس کا حق دار ہوگا۔

اور جب غامدی صاحب کے بقول حکم کی جو صُورت اولاد کی موجودگی میں تھی بھائی بہن موجود ہوں تو وہی صورت لوٹ آئے گی تو لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کو نصف حصّہ دے کر باقی چھٹا حصّہ باپ کو ملے جو عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کا حق دار ہوگا۔

۲۔ کسی میّت کے وارثوں میں ماں باپ اور ایک بیٹا ہو تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ دے کر باقی بیٹے کو اس کے عصبہ یعنی قریب ترین مرد ہونے کی وجہ سے دیں گے۔ کیونکہ عصبات میں بیٹا باپ کے مقابلے میں زیادہ قریب ہے۔ اس کے برخلاف اگر وارثوں میں ماں باپ کے ساتھ اگر فقط ایک بھائی ہو تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ دے کر غامدی صاحب کہتے ہیں کہ باقی بھائی کو دیدو۔ حالانکہ بھائی بھی عصبہ ہے، لیکن بیٹے کے برعکس اس کا مرتبہ میّت کے باپ کے بعد ہے۔ لہٰذا عصبات کے قانون کے تحت باقی کا باپ کو ملنا چاہیے نہ کہ بھائی کو۔ خود غامدی صاحب

نے عصبات کا قانون ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ "کوئی شخص کسی کو وارث بنائے بغیر دُنیا سے رُخصت ہو جائے تو یہ ترکہ اس کے عصبات میں اور عصبات نہ ہوں تو ذوالارحام میں الاقرب فالاقرب کے اُصول کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔"

جاوید غامدی صاحب تو لبید اعشیٰ اور زہیر و امرؤ القیس کی زبان کے باذوق طالب علم ہیں اور اعلیٰ کلام کے اسالیب بلاغت کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ پھر آخر ان سے کیوں ایسی غلطیاں سرزد ہو رہی ہیں؟ وجہ ظاہر ہے کہ اُنھوں نے قرآن پاک کو بھی فقط ادب کی ایک کتاب سمجھ لیا ہے جس میں گنجائش ہوتی ہے کہ سامع اور قاری اپنے ذوق کا مطلب بھی نکال سکے، لیکن قرآن پاک میں اعلیٰ ادبی معیار کے ساتھ ساتھ جو کلامی و فقہی باریکیاں ہیں اُن کو سمجھنے کے لیے جس فقاہت اور اجتہاد کی ضرورت ہے غامدی صاحب اس کی ضرورت اور اس کی اہمیّت ہی کے منکر ہیں تو وہ اُن کو کیا خاک سمجھیں گے۔

بقیہ: اسلام اور فریضۂ تبلیغ

کی کوششوں سے اب تک صُوبۂ بنگال میں پچاس ہزار مُسلمان مرتد ہو چکے ہیں۔ ہمدم ۲۸ مئی ۱۹۲۷ء)

اسی طرح سے مختلف اشاعتیں ظہور میں آچکی ہیں اور اس قوم کی دن و رات کی سرگرمی بلاشک و شبہ نہایت خطرناک ہے، اس لیے نہایت ضروری ہے کہ مُسلمان اپنے بھُولے ہُوئے سبق کو یاد کریں اور پُوری جدّوجہد کے ساتھ اجتماعی قُوّت سے میدانِ تبلیغ و اصلاح میں اُتر آئیں۔

مَیں نے آپ بزرگوں کی بڑی سمع خراشی کی۔ اب میں آپ حضرات کا تہ دِل سے شُکر ادا کرتا ہُوا آپ سے جُدا ہوتا ہوں اور اُمّیدوار ہوں کہ میری معروضات پر غور و فکر فرمائیں اور عملی کارروائیوں میں پُرزور حصّہ لیں۔ مرض اور مصیبت کو خفیف نہ سمجھیں۔ خُدا آپ کی اور ہماری مدد فرمائے۔

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

تقوٰی؟

حضرت مفتی محمّد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

"تقوٰی کی تعریف متعدّد تعبیرات سے کی گئی، لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر فرمائی، حضرت عمرؓ نے پُوچھا تھا کہ تقوٰی کیا ہے؟ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے فرمایا کہ: امیرالمؤمنین کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گزر ہُوا ہو گا جو کانٹوں سے پُر ہو، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کئی بار ہُوا ہے، حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے فرمایا ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لیے اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے فرمایا بس تقوٰی اسی کا نام ہے، یہ دُنیا ایک خارستان ہے گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے اس لیے دُنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا چاہیے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ اُلجھے اسی کا نام تقوٰی ہے جو سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔"[1]

چار چیزیں

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) حضرت خواجہ فریدالدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۶۸ھ) کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] معارف القرآن ج ۲ ص ۲۴۱

"وبعضے از ملفوظاتِ گنج شکر
کہ بخطِ نظام الدّین اولیاء
یافتہ اند مکتوب می گردد
فرمود: چہار چیز از ہفت
صد پیر طبقات سوال کردند ہمہ
یک جواب فرمودند، مَنْ
اَعْقَلُ النَّاسِ؟ تَارِكُ
الذَّنْبِ۔ وَمَنْ اَكْيَسُ
النَّاسِ؟ اَلَّذِیْ لَا
يَغُرُّ بِشَیْءٍ، وَ مَنْ
اَغْنَى النَّاسِ؟
اَلْقَانِعُ، وَمَنْ اَفْقَرُ
النَّاسِ؟ تَارِكُ
الْقَنَاعَةِ" [1]

حضرت شیخ (فریدالدّین) گنج شکرؒ کے بعض
ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں ان میں
آپ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ فرالدّینؒ نے
فرمایا: چار چیزوں کے بارے میں سات
سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے
ایک ہی جواب دیا۔ (۱) سوال ہوا کہ: سب
سے زیادہ عقل مند کون ہے؟ فرمایا گناہوں
کو چھوڑ دینے والا۔ (۲) سب سے زیادہ دانا
اور حکیم کون ہے؟ فرمایا: جو کسی چیز پر
مغرور نہیں ہوتا۔ (۳) سب سے زیادہ مالدار
اور غنی کون ہے؟ فرمایا: قناعت کرنے والا۔
(۴) لوگوں میں سب سے زیادہ محتاج کون
ہے؟ فرمایا: قناعت کو چھوڑ دینے والا۔

حسنِ اتّفاق

علّامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ (م ۶۳۰ھ) نے صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے حالات پر "اُسْدُ الْغَابَةِ فِیْ مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ" کے نام سے ایک نہایت عظیم الشّان کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اس میں آپ نے صحابۂ کرام کے حالات بہت خوب صورت انداز میں پیش فرماتے ہیں اور اُن کے ضمن میں بہت سی نادر اور عجیب باتیں ذکر کی ہیں۔

علّامہ موصوف، حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"وكان جعفر اسن من علیٍ — حضرت جعفر طیّارؓ (اپنے بھائی) حضرت علیؓ

---

[1] اخبار الاخیار فارسی ص ۵۴

بعشر سنین و اخوہ عقیل
اسن منہ بعشر سنین واخوھم
طالب اسن من عقیل
بعشر سنین "[1]

سے دس سال بڑے تھے اور آپ کے
بھائی عقیلؓ آپ سے دس سال بڑے
تھے اور ان کے بھائی طالب، عقیلؓ سے
دس سال بڑے تھے۔

گویا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچا ابو طالب کے چار فرزند تھے اور چاروں کی عمروں میں دس دس سال کا فرق تھا۔ سب سے چھوٹے حضرت علیؓ تھے، اُن سے دس سال بڑے حضرت جعفر طیارؓ تھے ان سے دس سال بڑے حضرت عقیلؓ تھے، اور اُن سے دس سال بڑے طالب تھے۔ انہی کے نام پر ابو طالب نے اپنی کنیت رکھی تھی۔ ابو طالب کا اصل نام عبد مناف تھا۔

کچھ آگے چل کر مداحِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وھو ابن مائۃ وعشرین سنۃ
لم یختلفوا فی عمرہ وانہ
عاش ستین سنۃ فی الجاھلیۃ
وستین سنۃ فی الاسلام، وکذالک
عاش ابوہ ثابت وجدہ المنذر
وابو جدہٖ حرام عاش کل واحد
منھم مائۃ وعشرین سنۃ
ولا یعرف فی العرب اربعۃ
تناسلوا من صلب واحد
عاش کل منھم مائۃ وعشرین
سنۃ غیرھم"[2]

آپ کی عمر مُبارک بلا اختلاف ایک سو بیس
برس ہُوئی ہے جس میں سے ساٹھ برس
دَورِ جاہلیّت میں گزرے اور ساٹھ برس
حالتِ اسلام میں، اسی طرح آپ کے والد
ثابت، دادا منذر اور پر دادا حرام میں
سے ہر ایک کی عُمر بھی ایک سو بیس برس
ہُوئی تھی۔ عربوں میں ان چار حضرات کے
علاوہ اور چار لوگ ایسے نہیں پائے گئے کہ
جن کی نسل ایک ہی پشت سے چلی ہو
اور اُن میں سے ہر ایک کی عمر ایک سو
بیس برس ہُوئی ہو۔

گویا تمام صحابۂ کرام میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ واحد ایسے صحابی ہیں کہ اُن کی اور اُن سے پہلے

---

[1] اسد الغابۃ ج ۱ ص ۲۸۷ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۷

اُن کی تین پشتوں (باپ دادا پردادا) تک سب کی عمر ایک سو بیس برس ہوتی ہے۔ یہ شان خداوندی ہے کسی کا اس میں ذاتی کوئی دخل نہیں۔

نیکی کے ارادہ پر اجر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے۔

"مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرٌ اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ وَاِنْ عَمِلَهَا تُكْتَبُ"[1]

جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن وہ نیکی کر نہیں سکا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا پھر اس پر عمل بھی کیا تو اس کے لیے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اگر کسی نے بُرائی کا ارادہ کیا لیکن بُرائی کی نہیں تو وہ بُرائی نہیں لکھی جاتی اور اگر بُرائی کر لی تو صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ نیکی کا ارادہ کر لینا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں کیونکہ ارادہ کے بعد اگر نیکی کر لی تو اس پر تو اجر و ثواب ملے ہی گا اور اگر نیکی نہ کر سکا تو بھی ایک نیکی ہاتھ سے نہیں جائے گی۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) نے "احیاء العلوم" میں ایک واقعہ درج کیا ہے جس سے اس حدیث شریف کی وضاحت اور صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک شخص بھوک کی حالت میں ریت کے ٹیلوں کے پاس سے گزرا، اُس نے اپنے جی میں کہا "لَوْ كَانَ هٰذَا الرَّمْلُ طَعَامًا لَقَسَمْتُهٗ بَيْنَ النَّاسِ" اگر یہ ریت (کے ٹیلے) غلّہ (کا ڈھیر) ہوتے تو میں انھیں لوگوں میں تقسیم کر دیتا، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۸۷

آپ اس شخص سے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کر لیا ہے اور تیری حسن نیت کی قدر دانی کی ہے اور تجھے اتنا ثواب دے دیا ہے جتنا کہ اگر یہ ٹیلے غلّہ کا ڈھیر ہوتے اور تو انھیں صدقہ کر دیتا (اور تجھے اس پر ثواب ملتا)" [1]

حدیث شریف میں کسی عمل پر ذکر کردہ وعید کو معمولی سمجھ کر عمل کر لینے کا انجام

حدیث شریف میں اگر کسی کام کے کرنے پر کوئی وعید ذکر کی گئی ہو تو اسے معمولی سمجھنے کے بجائے اس سے بہت بچنا چاہیے اور اُس سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ خدانخواستہ کہیں یہ وعید واقع ہی نہ ہو جائے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان یا تو اس حدیث شریف کو غیر اہم سمجھ کر یا پھر اس وعید کے وقوع کو مستبعد و محال سمجھ کر وہ کام کر بیٹھتا ہے۔ نتیجتاً وہ وعید واقع ہو جاتی ہے، کتابوں میں بہت سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں یہاں پر ہم عبرت کے لیے صرف دو واقعات ذکر کرتے ہیں۔ پہلا واقعہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) نے اپنی کتاب "اربعین" میں تحریر فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں کی یہی شان ہے کہ جس امر میں بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اس میں بے چون وچرا اقتدار کر لیا کریں۔ مثلاً رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ شنبہ (اتوار) اور پنج شنبہ (جمعرات) کے دن پچھنے لگوانے سے برص کا اندیشہ ہے۔ ایک محدّث نے اس حدیث کو ضعیف کہہ کر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برص میں مبتلا ہو گئے۔ چند روز بعد ایک شب کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: جیسا کیا ویسا

---

[1] احیاء علوم الدین عربی ج ۴ ص ۳۶۳

بھگتو، شنبہ کے دن پچھنے کیوں لگواتے تھے۔ اُنھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) اس حدیث کا راوی ضعیف تھا، آپ نے فرمایا کہ حدیث تو میری نقل کرتا تھا[1] عرض کیا یا رسول اللہ: (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) خطا ہوئی، میں توبہ کرتا ہوں، یہ سُن کر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دُعا فرمائی صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ رہا۔"[2]

دوسرا واقعہ حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) نے مشکوٰۃ کی شرح میں ذکر کیا ہے واقعہ سے پہلے اس کا پس منظر سُنتے چلیں حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "جو شخص امام سے پہلے (رکوع یا سجود سے) سر اُٹھاتا ہے کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر سے بدل دیں۔"[3] علماء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہوا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو وعید بیان فرمائی ہے آیا اُس کے مجازی معنیٰ مراد ہیں یا حقیقی؟ اگر مجازی معنیٰ مُراد لیں تو مطلب ہوگا کہ ایسا کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ گدھے جیسی صفات اس میں پیدا فرمادیں یعنی جیسے گدھا نہایت بے وقوف ہے ویسے ہی یہ شخص بھی بے وقوف ہوجائے اور اگر حقیقی معنیٰ مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ فی الواقع جیسے گدھے کا سر ہے ویسا ہی اس کا سر ہوجائے، بعض علماء نے مجازی معنی کو ترجیح دی ہے بعض نے حقیقی معنی کو۔ حقیقی معنیٰ کی تائید میں حضرت ملا علی قاریؒ نے درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے۔

"ایک محدّث، دمشق کے ایک مشہور شیخ سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے دمشق تشریف لے گئے وہاں جاکر اُن سے مکمّل طور پر علم حدیث حاصل کیا۔

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میری طرف منسوب کرنا درجۂ موضوعیت میں نہ تھا اور بیان تھا خاصیّت عمل کا حلال اور حرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی۔

[2] تبلیغ دین ص ۹۶ طبع ادارۃ المعارف کراچی

[3] بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۰۲

وہ دمشقی شیخ اپنے اور شاگرد کے درمیان پردہ لٹکائے رکھتے تھے جس کی وجہ سے شاگرد شیخ کا چہرہ نہ دیکھ سکتے تھے۔ جب انہیں شیخ کے پاس رہتے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر گیا اور شیخ نے بھی محسوس کرلیا کہ یہ علمِ حدیث کے بہت شائق ہیں تو اُنھوں نے درمیان سے پردہ ہٹا دیا۔ شاگرد کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ کا چہرہ بالکل ایسا ہے جیسے گدھے کا ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: احذر یا بنی ان تسبق الامام بیٹا: (رکوع یا سجدہ میں) امام پر سبقت لے جانے سے بچتے رہنا (یعنی نہ امام سے پہلے جانا نہ امام سے پہلے اُٹھنا) میرے ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ جب وعید والی یہ حدیث میرے سامنے سے گزری تو مجھے اس کا وقوع بہت بعید معلوم ہُوا، چنانچہ میں (امتحاناً) امام پر سبقت لے گیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میرا چہرہ گدھے کے چہرہ سے بدل گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔"[1]

دُعاءِ صحّت کی اپیل

حضرت مولانا محمدؐ اسحاق صاحب قادریؒ کے صاحبزادے مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب اختر سفر میں جاتے ہُوئے حادثہ پیش آجانے کے سبب اہلیہ اور بچّوں سمیت زخمی ہوگئے اُنھوں نے قارئین سے دُعاءِ صحّت کی اپیل کی ہے۔ قارئین دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا اُن کی اہلیہ اور بچّوں کو شفاءِ کاملہ عطا فرمائیں۔ (ادارہ)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۹۸

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تعارف و تبصرہ

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب: خطبات محمود (ج ۱)

افادات: حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

مرتّب: مولانا محمدؐ فاروق

صفحات: ۲۸۰

سائز: $\frac{۳۶ \times ۲۳}{۱۶}$

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

قیمت: ۹۰/-

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدؐ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی شخصیّت اپنے علمی و عملی کمالات کی بناء پر ایک امتیازی حیثیّت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ــــ بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ تمام علوم و فنون پر آپ کی گہری نگاہ تھی اور پیرانہ سالی کے باوجود علمی استحضار کمال درجہ کا تھا۔ دس سال پہلے کی بات ہے۔ راقم الحروف جب ۱۹۸۸ء میں دیوبند گیا تو حضرت مفتی صاحبؒ کی زیارت کے لیے آپ کی قیامگاہ پر حاضر ہوا، آپ دیوبند کی قدیم مسجدِ چھتہ کے اُس حجرہ میں رہتے تھے جو کسی زمانے میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی خلوت گاہ تھا عصر کی نماز کے بعد مجلسِ عمومی میں آپ تشریف فرما تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے داماد حضرت قاری عثمان صاحب کے چھوٹے صاحبزادے کی رسمِ بسم اللہ ادا ہونی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے بسم اللہ کروائی۔ راقم کو بڑی حیرت ہوئی کہ آپ نے "میزان الصرف" جو بالکل ابتدائی درجہ کی کتاب ہے

اس کا تقریباً شروع کا ایک صفحہ زبانی کہلوا دیا۔ اس کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی۔ راقم کی حضرت مفتی صاحب کی یہ پہلی اور آخری زیارت تھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مفتی صاحبؒ کو فقاہت کے ساتھ ساتھ وعظ گوئی کا ملکہ بھی عطا ہوا تھا۔ آپ کے وعظ نہایت پُر اثر ہوتے تھے، زیر تبصرہ کتاب "خطباتِ محمود" آپ کے موثر اور بلیغ مواعظ کا مجموعہ ہے۔ پہلے یہ مواعظ آپ کے مسترشد و خلیفہ مولانا محمد فاروق صاحب نے "مواعظِ فقیہ الامت" کے نام سے متعدد قسطوں میں شائع کیے تھے۔ انہی کا عکس لے کر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی طرف سے یہ مواعظ "خطباتِ محمود" کے نام سے شائع کیے گئے ہیں۔

خطبات محمود کی اس جلد میں حضرت مفتی صاحبؒ کے مختلف اقسام پر مشتمل تقریباً بیس وعظ ہیں ہر وعظ اپنی جگہ نہایت پُر اثر اور قیمتی ہے، قارئین ضرور ان سے استفادہ فرمائیں۔

○

نام کتاب: دیکھنا تقریر کی لذّت

افادات: مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری

صفحات: ۲۲۴

سائز: $\frac{۳۶×۲۳}{۱۶}$

ناشر: طیّب اکیڈمی ملتان

قیمت: ۸۱ روپے

اس کتاب میں تقریباً ایک درجن پُر مغز و پُر اثر تقریروں کے ساتھ ساتھ فنِ تقریر اور اس کے عناصر و ارکان نیز اس کے شرائط و آداب سے بحث کی گئی ہے، وہ طلبہ و عوام جنہیں تقریر سیکھنے کا شوق ہے اُن کے لیے یہ کتاب ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ کمپیوٹر کتابت اور عمدہ طباعت کے ساتھ قیمت مناسب ہے۔

○

نام کتاب: عُلماء کی کہانی خود ان کی زبانی

تصنیف: ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن

صفحات : ۲۸۲

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : طیّب اکیڈمی ملتان

قیمت :

تذکرہ و سوانح سے متعلق ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب کی متعدّد کُتب شائع ہو چکی ہیں زیرِ تبصرہ کتاب "عُلماء کی کہانی خود ان کی زبانی" موصوف کی تازہ ترین تالیف ہے اس میں آپ نے بلا امتیازِ مسلک و مشرب تقریباً اکیاون[۵۱] عُلماء کے حالات درج فرماتے ہیں جن میں سے اکثر عُلماء کے حالات پہلی دفعہ ہی منظرِ عام پر آسکے ہیں۔ یہ کتاب اس لحاظ سے خصوصیّت کی حامل ہے کہ اس میں جتنے عُلماء کے تذکرے ہیں سب اُن کے خود نوشت ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب توجہ فرمائیں اور باقی ماندہ اُن عُلماء کے حالات بھی جمع فرمادیں جن کے حالات تا حال شائع نہیں ہوئے تو بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

○

نام کتاب : تذکرۃ القراء

تالیف : ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن

صفحات : ۷۹

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : طیّب اکیڈمی ملتان

قیمت :

زیرِ نظر کتاب "تذکرۃ القراء" بھی ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب کی تصنیف ہے اس میں آپ نے بلا امتیازِ مسلک و مشرب تقریباً سینتالیس[۴۷] قراء کا تذکرہ رقم فرمایا ہے۔ قراء کی فہرست میں بعض ایسے نام بھی آئے ہیں جن کے ساتھ قاری کا سابقہ پڑھ کر اچنبھا سا ہونے لگتا ہے، کیونکہ عوام کے تخیل میں قاری کا سابقہ اُسی کے ساتھ اچھا لگتا ہے جو فنِ تجوید و قراءت کے ساتھ وابستہ رہا ہو، اور جن حضرات کا واسطہ فنِ تجوید و قراءت سے نہ رہا ہو اُن کے ساتھ قاری کا سابقہ عجیب سا

لگتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ تالیف اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ اس میں بہت سے اخیر دَور کے قراء کے حالات آ گئے گو کہ مختصر ہی سہی، لیکن بجا طور پر اس میں یہ کمی نظر آتی ہے کہ اس میں ملک کے بہت سے نامور قراء کے حالات ذکر نہیں ہوئے اگر ڈاکٹر صاحب یہ کمی پُوری فرما دیں تو بہت ہی اچھّا ہو۔

○

نام کتاب : احکام المسجد

افادات : حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

مرتّب : مولانا مفتی محمّد زید

صفحات : ۱۲۴

سائز : $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$

ناشر اداره تالیفات اشرفیہ ملتان

قیمت

حضرت مولانا مفتی محمّد زید صاحب زید مجدہم نے حکیم الاُمّت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ و ملفوظات سے انتخاب کر کے بہت سی مفید کتابیں ترتیب دی ہیں۔ "احکام المسجد" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس کتاب میں موصوف نے حضرت تھانوی رح کے مواعظ و ملفوظات نیز آپ کی دیگر تصانیف سے انتخاب کر کے مسجد سے متعلّق تمام اہم مسائل یکجا کر دیے ہیں اس دَور میں جبکہ آداب مسجد کو نہایت بے دردی سے پامال کیا جا رہا ہے۔ ایسی کتاب کا شائع کیا جانا ضروری بھی ہے اور مفید بھی، پہلے یہ کتاب ہندوستان میں طبع ہوئی تھی۔ اسی کا عکس لے کر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ کتابت و طباعت عمدہ ہے۔ لیمینیشن جلد ہے۔

(ن - د)

اخبار الجامعہ

محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ

○ ۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ ۲۷ جون ۱۹۹۸ء بروز ہفتہ شام کو حضرت نائب مہتمم صاحب مولانا خالد محمود صاحب اور مولانا ولید صاحب کابل یونیورسٹی کے وائس چانسلر مولانا پیر محمد صاحب کی دعوت پر افغانستان کے مطالعاتی دورہ پر تشریف لے گئے وہاں آپ حضرات نے مولانا پیر محمد صاحب اور دیگر وزراء سے ملاقات کی اور افغانستان کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور طالبان کی کوششوں اور اللہ کی مدد و نصرت سے وہاں شریعت کے نفاذ کی برکات محسوس کیں آپ اس مختصر دورہ کے بعد ۵ جولائی کی شام بخیریت واپس آگئے۔

○ ۶ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ یکم جولائی ۱۹۹۸ء بروز بدھ جامعہ کی مسجد میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں سہ ماہی امتحان ۱۴۱۹ھ میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو انعامات دیے گئے۔ تقریب کا آغاز قاری محمد ادریس صاحب کی تلاوت سے ہوا بعد میں حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب مدظلہم نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔ آخر میں حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے طلبہ کو انعامات دیے اور دعا فرمائی۔

○ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ ۶ جولائی ۱۹۹۸ء بروز پیر حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب مدظلہم مدرسہ حسینیہ کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کے لیے سلانوالی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے جلسہ کی صدارت کی اور خطاب بھی فرمایا اور اگلے روز خوشاب تشریف لے گئے اور ۸ جولائی کو صبح واپس تشریف لائے۔

ارباب مدارس توجہ فرمائیں

"وفاق المدارس" کی طرف سے چند ضروری اعلانات و معروضات

"وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی جانب سے بعض ضروری اعلانات برائے ارباب مدارس پیش خدمت ہیں۔ تمام اہل مدارس عمل درآمد فرما کر تعاون فرمائیں۔

۱۔ فارم داخلہ : سالانہ امتحانات ۱۴۱۹ھ کے داخلہ فارم تمام مدارس کو ارسال کئے جارہے ہیں اگر نہ ملیں تو حسب ضرورت طلب فرمائیں، عندالضرورت مزید فوٹو سٹیٹ بھی کروا سکتے ہیں۔ داخلہ فارم عام فیس کے ساتھ یکم ربیع الثانی سے ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ اور دوگنی فیس کے ساتھ ۳۰ جمادی الاولیٰ تک وصول کئے جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فارم قبول نہیں ہوگا۔ داخلہ فیس اور سالانہ فیس کا الگ الگ ڈرافٹ ہونا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ رقم "کراس ڈرافٹ بنام وفاق المدارس" کے علاوہ کسی شکل میں بھی وصول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ فیسوں میں اضافہ : موجودہ گرانی اور وفاق کے روز افزوں اخراجات کی وجہ سے فیسوں میں معمولی اضافہ کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔

(۱) مدارس کی سالانہ فیس : مدارس ابتدائیہ = ۳۰۰ روپے، مدارس تحفیظ القرآن = ۴۰۰ روپے، مدارس تجوید القرآن = ۵۰۰ روپے، مدارس متوسطہ = ۴۰۰ روپے، مدارس ثانویہ = ۶۰۰ روپے، عالیہ = ۱۲۰۰ روپے، جامعات = ۱۸۰۰ روپے

(۲) طلبہ کی داخلہ فیس : حفظ = ۷۵ روپے، متوسطہ = ۷۵ روپے، عامہ = ۸۰ روپے، خاصہ = ۸۵ روپے، عالیہ = ۱۰۵ روپے، عالمیہ = ۱۳۵ روپے

(۳) الحاق فیس : مدارس ابتدائیہ (تحفیظ، تجوید، متوسط) = ۷۰۰ روپے، ثانویہ = ۱۰۰۰ روپے، عالیہ = ۱۷۰۰ روپے، جامعات = ۲۲۰۰ روپے تفصیل بالا کے مطابق ادائیگی فرمائی جائے۔

۳۔ متوسطہ میں انگلش و سائنس کے لازمی مضامین : آئندہ امتحانات شعبان ۱۴۱۹ھ میں درجہ متوسطہ کے لئے انگلش و سائنس کے مضامین لازمی کر دیئے گئے ہیں۔ انگلش کا پرچہ مستقل ہوگا جبکہ جنرل سائنس و ریاضی کا پرچہ مشترکہ ہوگا۔

۴۔ امتحان میں عدم شرکت : وفاق کے تحت ہونے والے امتحانات میں کسی معقول وجہ کے بغیر مسلسل تین سال تک شرکت نہ کرنے والے مدرسہ / جامعہ کا الحاق ختم کر دیا جائے گا۔

۵۔ تجدید الحاق : تمام مدارس و جامعات کی "تجدید الحاق" کا فیصلہ کیا گیا ہے اس سلسلہ میں تفصیلی خط اور فارم آنجناب کو ارسال کیا جا رہا ہے اس کی جلد تکمیل فرماویں۔ کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دفتر سے رابطہ فرمائیں۔

۶۔ ڈائریکٹری مدارس : تمام مدارس و جامعات کی ایک ڈائریکٹری عنقریب شائع کی جارہی ہے اس سلسلہ میں آپ اپنے ادارہ کا نام، پتہ، مہتمم کا نام، فون نمبر، فیکس نمبر، تاریخ الحاق، درجہ الحاق صاف اور واضح لکھ کر جلد دفتر کو روانہ فرماویں

۷۔ صوبائی مجلس عمومی کا اجلاس :

وفاق سے ملحق صوبہ بلوچستان کے تمام مدارس و جامعات کی مجلس عمومی کا اجلاس ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ، ۲۰ ستمبر ۱۹۹۸ء بروز اتوار مدرسہ تجوید القرآن سرکی روڈ کوئٹہ میں ہو گا۔ جبکہ صوبہ سندھ کے مدارس و جامعات کا اجلاس ۲۲ ستمبر ۱۹۹۸ء بروز منگل ہوگا جس کے مقام کا تعین عنقریب کر دیا جائے گا۔